ماہنامہ محدث بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۴۸
جلد: ۳۰ ، شمارہ: ۱۲
صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
دسمبر ۲۰۱۲ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-خدمت خلق	مولانا اسعد اعظمی	۸
۵-انسانی کرامت اور اعضاء.....	عبدالمنان محمد شفیق السلفی	۱۴
۶-آپ ﷺ کی شفقت ورحمت	محمد اسلم مبارک پوری	۲۳
۷-رسول اکرم ﷺ کے الوداعی خطبے	عبدالغفار عبدالسلام سلفی	۲۹
۸-سلفیت: تعبیر وتفہیم	ابو یاسر مبارک پوری	۳۳
۹-علامہ اسماعیلؒ کی دو نادر.....	عبدالرحیم بن محمد یونس	۳۵
۱۰-نماز سے متعلق چند متروکہ.....	فیروز احمد عبدالنعیم	۴۰
۱۱-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۴
۱۲-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۳-باب الفتاوی	مولانا نور الہدی سلفی	۴۶

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(تدوین حدیث تیسری صدی ہجری میں)

(۱۲)

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

پہلی صدی ہجری کے اختتام پر جو تدوین حدیث کا عمل شروع ہوا تھا، وہ تیسری صدی ہجری کے آتے آتے کافی ترقی کر چکا تھا، اور اسلامی حکومت میں ہر طرف اس پر توجہ دی جارہی تھی اور بہت سے علماء نے اس پر کام کیا، جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے جب علم اور احادیث رسول کے حصول اور اس کی جانچ و تنقیح کے لیے سفر کا رواج بڑھا، علم الرجال کی بنیاد پڑی اور جرح وتعدیل کے اصول بنے اور علم العلل اور اِسناد پر علماء نے ضابطے بنائے، اس زمانہ کے مصنفین نے جو کچھ اپنے اساتذہ اور شیوخ سے حاصل کیا تھا اس کو ٹھوس اور مضبوط اصولوں پر کاربند ہوکر کتابیں مرتب کیں، اس دور کے مصنفین کے نام درج ذیل ہیں:

اسد بن موسی الاموی	(وفات:۲۱۲)	عبیداللہ بن موسی العبسی	(وفات:۲۱۳)
عبداللہ بن الزبیر الحمیدی	(وفات:۲۱۹)	احمد بن منیع البغوی	(وفات:۲۲۴)
سعید بن منصور	(وفات:۲۲۷)	نعیم بن حماد الخزاعی	(وفات:۲۲۸)
مسدد بن مسرھد البصری	(وفات:۲۲۸)	علی بن الجعد الجوھری	(وفات:۲۳۰)
عبداللہ بن محمد الجعفی المسندی	(وفات:۲۲۹)	یحییٰ بن معین	(وفات:۲۳۳)
علی بن المدینی	(وفات:۲۳۴)	ابوخیثمہ زہیر بن حرب	(وفات:۲۳۴)
ابوبکر بن ابی شیبہ	(وفات:۲۳۵)	اسحاق بن راہویہ	(وفات:۲۳۸)
خلیفہ بن خیاط	(وفات:۲۴۰)	احمد بن حنبل	(وفات۲۴۱)
اسحاق بن ابراہیم بن نصر السعدی	(وفات:۲۴۲)	الحسن الحلوانی	(وفات۲۴۲)
احمد بن منیع	(وفات:۲۴۴)	عبد بن حمید	(وفات:۲۴۹)
اسحاق بن منصور	(وفات:۲۵۱)	محمد بن ہشام السدوسی	(وفات:۲۵۱)
عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	(وفات:۲۵۵)	محمد بن اسماعیل البخاری	(وفات:۲۵۶)
مسلم بن الحجاج القشیری	(وفات:۲۶۱)	محمد بن یزید ابن ماجہ	(وفات:۲۷۳)
ابوداؤد سلیمان ابن الاشعث	(وفات:۲۷۵)	ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی	(وفات:۲۷۹)
ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	(وفات:۳۰۳)		

(بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

درس حدیث

محبت رسول کا صحیح معیار

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبىٰ، قِيْلَ: وَمَنْ يَّأْبىٰ يَا رَسُوْلَ اللّٰه؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبىٰ۔ (رواہ البخاری:۱۳/۲۱۴)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میری پوری امت جنت میں داخل ہوگی سوائے اس شخص جس نے انکار کیا، آپ سے دریافت کیا گیا اے اللہ کے رسول کون انکار کرے گا؟ آپ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے انکار کی روش اختیار کی۔

اللہ کے رسول پر ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ آپ سے سچی محبت کی جائے، اس لیے کہ اللہ کے بعد سب سے بڑا احسان آپ ﷺ کا ہی ہے، آپ محسن انسانیت ہیں، اللہ اور اس کے دین کی معرفت آپ کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوئی، آپ نے اس دین کو مکمل امانتداری اور انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ امت تک پہنچایا اور اس کی خاطر شدید تکلیفوں کو برداشت کیا تو اس عظیم محسن سے والہانہ محبت کیونکر نہ رکھی جائے بلکہ آپ کی محبت کو دنیا کی تمام محبتوں پر ترجیح کیوں نہ دی جائے اور اس محبت کا اظہار آپ ﷺ کے اسوہ کو اختیار کر کے کیوں نہ کیا جائے۔

اس محبت کے اظہار کی ایک شکل آپ کی عظمت وشان کو زبان وقلم سے نظم ونثر کے ذریعہ بیان کرنا بھی ہے، لیکن اس ذکر جمیل کے ساتھ ساتھ سچی محبت کا تقاضا وہ ہے جسے مذکورہ بالا حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا اور جس کی تائید قرآنی آیات اور صحیح احادیث سے ہوتی ہے اور جس کا ذکر سیرت صحابہ میں ملتا ہے، انبیاء کرام کے بعد اس روئے زمین کی سب سے مقدس جماعت نے آپ سے انتہائی درجہ کی محبت کا اظہار آپ کی کمال متابعت کے ذریعہ سے کیا، نہ صحابہ کرام سے بڑھ کر اس روئے زمین پر کوئی آپ سے محبت کرنے والا گذرا اور نہ آپ کی اطاعت اور سنتوں کو اپنانے والا.. رضی اللہ عنہم اجمعین، تو کیا صحابہ کرام کی سیرت کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنے اس محبوب کی ولادت کا جشن منایا؟

اگر جواب اثبات میں ہے تو مستند دلائل سے اسے ثابت کیا جائے، اور اگر جواب نفی میں ہے تو ہمارے وہ مسلمان بھائی جو اس جشن کا اہتمام کرتے ہیں وہ بتلائیں کہ کیا وہ نبی کریم ﷺ سے محبت رکھنے میں ان صحابہ کرام سے بڑھ کر ہیں؟ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا، اور کوئی بھی مسلمان یہ بات نہیں کہتا، اس لیے بڑے ہی ادب کے ساتھ ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ حب نبوی کے اظہار کے اسی طریقہ کو اپنائیں جو صحابہ کرام کا طریقہ تھا اور وہ طریقہ ہے، آپ کی سنتوں کو اپنانا، اس پر عمل کرنا، اس کی ترویج واشاعت کرنا اور دین کے نام پر کئے جانے والے ایسے اعمال کی مخالفت کرنا جس پر کتاب وسنت کی مہر نہ لگی ہو۔ آیئے منہج صحابہ کو اختیار کر کے آپ ﷺ سے سچی محبت کرنے والے بن جائیں۔ عربی شاعر کہتا ہے:

لو كان حبك صادقا لأطعته ان المحب لمن يحب مطيع

اگر آپ اپنی محبت میں سچے ہوتے تو اپنے محبوب کے نقش قدم پر چلتے، بیشک محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے، اس کے طریقے کو اختیار کرتا ہے۔ ☆☆

افتتاحیہ

توحید سے انحراف کے نتائج
شرک، کفر اور نفاق

توحید کیا ہے؟: تنہا ایک اللہ کے لیے عبادت کو خاص ماننا، پوری کائنات کا خالق اور منتظم صرف اسی کو جاننا، اور اس کے شایان شان ناموں اور صفتوں کو اس کے لیے ثابت کرنا، تمام مخلوقات اور انس وجن کو اللہ نے صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، اور اس غرض کے لیے روزی کے ہر طرح کے سامان بھی کر دیئے ہیں، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ، مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ، إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ (الذاریات:۵۶-۵۸) اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں، میں نہ ان سے روزی مانگتا ہوں اور نہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں، بے شک اللہ ہی روزی دینے والا زبردست طاقت والا ہے۔

یہ توحید اللہ نے انسان کی فطرت اور نفس میں گاڑ دی ہے اور اسے اسی توحید پر پیدا کیا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿فأقم وجهك للدين حنيفا فطرت الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم﴾ (الروم:۳۰) پس اے میرے نبی! آپ یکسو ہو کر دین اسلام پر قائم رہیئے، یہ اللہ کا وہ دین فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہی سچا پکا دین ہے۔

اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "كل مولود يولد على الفطرة فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه" یعنی ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

اسی توحید اور اسلام پر حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد صدیوں تک ان کی آل اولاد قائم رہی، اللہ تعالی نے فرمایا: "كان الناس أمة واحدة، فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين﴾ (البقرۃ:۲۱۳) پہلے سبھی لوگ ایک دین پر قائم تھے (پھر انہوں نے توحید سے انحراف واختلاف کیا) تو اللہ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا جو لوگوں کو جنت کی خوش خبری سناتے اور جہنم سے ڈراتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: "كان بين آدم ونوح عليهما السلام عشرة قرون، كلهم على الاسلام" آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیوں کا فاصلہ تھا اور سب کے سب اسلام اور توحید پر قائم تھے۔

توحید سے انحراف اور اس کے نتیجہ میں شرک کا وجود سب سے پہلے قوم نوح میں ہوا، اور پھر اسی سبب سے اللہ تعالی نے انسانوں میں سب سے پہلا رسول حضرت نوح کو بنا کر توحید کی طرف پھیرنے اور شرک سے بچانے کا آغاز فرمایا، اللہ تعالی

نے فرمایا: ﴿وما كان الناس الا أمة واحدة فاختلفوا" (یونس:۴) اور تمام لوگ بس ایک دین توحید پر اکٹھا تھے پھر انہوں نے دین توحید سے انحراف واختلاف کرلیا۔

یعنی دین توحید سے اختلاف کیا تو اللہ تعالی نے انبیاء ورسل بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا تا کہ لوگوں کو توحید دین فطرت کی طرف پھیرا جائے۔

قوم نوح میں شرک کی ابتداء پہلے قوم کے بزرگوں کے مرنے کے بعد ان کی عقیدت واحترام میں غلو اور پھر بتدریج ان کی عبادت سے ہوئی اور آگے چل کر دین توحید کے عقائد واعمال کے بجائے اعمال شرک وکفر نے لے لیا، بزرگوں سے دعا کی جانے لگی، ان کے لیے جانور ذبح کئے جانے لگے، نذریں مانی جانے لگیں، خوف وامید اور محبتِ عبادت کے مستحق قرار دیئے جانے لگے جو اللہ کے لیے خاص ہیں، ان اعمال سے انسان دین توحید سے بالکل باہر ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالی آخرت میں جنت اس کے لیے حرام کر کے دوزخ اس کا ٹھکانا بنا دیتا ہے، یہ وہ گناہ ہے جسے اللہ تعالی کبھی معاف نہیں فرماتا، ارشاد ہے: ﴿انه من يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة وماواه النار وما للظالمين من أنصار﴾ (المائدہ:۷۲) یقیناً جو اللہ کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک ٹھہرائے گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

یہ شرک اکبر کہلاتا ہے یعنی بڑا شرک، بعض شرک چھوٹا ہوتا ہے جسے شرک اصغر کہا جاتا ہے، اس سے توحید میں کمی پیدا ہوتی ہے، اور بڑے شرک تک پہونچانے کا ذریعہ بن سکتا ہے، جیسے غیر اللہ کی قسم کھانا اور اللہ کی عبادت کے کاموں میں دکھلاوے اور ریا کی نیت رکھنا یا دنیا طلبی اور حصول مال کی خاطر اعمال عبادت انجام دینا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من حلف بغير الله فقد كفر أو أشرك" (ترمذی) جس نے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی تو اس نے کفر یا شرک کا کام کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "أخوف ما أخاف عليكم الشرك الأصغر، قالوا يا رسول الله، وما الشرك الأصغر؟ قال الرياء" (احمد) میں تم لوگوں سے متعلق سب سے زیادہ چھوٹے شرک سے ڈرتا ہوں، صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول چھوٹا شرک کیا ہے؟ فرمایا: ریاء۔ (یعنی اللہ کی عبادت والا کام کسی کو دکھلانے کے لیے کرنا)

اسی طرح توحید اور دین اسلام سے منحرف ہونے سے کفر کی راہیں بنتی اور کھلتی ہیں، کفر یعنی اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان نہ رکھنا، خواہ جھٹلا کر یا شک وتردد یا اعراض وحسد اور تکبر وخواہشات کی پیروی کر کے، یہ بڑا کفر کہلاتا ہے اور ایسا کرنے والا دین توحید کے دائرہ سے باہر ہو جاتا ہے اور مخلد فی النار ہوتا ہے، کچھ اعمال واقوال ایسے ہیں جن کو ہمارے رسول ﷺ نے کفر کہا ہے لیکن وہ چھوٹا کفر کہلاتے ہیں، جن سے اعمال میں نقص پیدا ہوتا ہے اور ان کا مرتکب دین توحید سے باہر نہیں ہوتا ہے جیسے آپ ﷺ نے فرمایا: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر" (بخاری ومسلم) مسلمان کو گالی دینا بدکرداری ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔

دین توحید سے انحراف کرنے کی ایک شکل نفاق بھی ہوتی ہے، یعنی اسلام ظاہر کرنا اور کفر چھپانا، یہ موحدوں سے جان و مال کی حفاظت کی منافقوں کی جانب سے ایک خود ساختہ پالیسی ہوتی ہے کہ اسلام ظاہر کریں گے تو موحدوں سے محفوظ رہیں گے اور کفر کے ذریعہ کفار ومشرکین اور دہریوں سے مضبوط دوستی ہوتی ہے، اس میں اعتقادی نفاق بڑا نفاق کہلاتا ہے، اس کا حامل دین توحید سے خارج اور جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوگا، ایک چھوٹا نفاق بھی ہے جس کا حامل دین توحید سے باہر نہیں ہوتا، اس کے ظاہر و باطن کا اختلاف صرف اعمال میں ہوتا ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أربع من كن فيه كان منافقا خالصا، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها إذا أوتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر" (متفق علیہ) چار صفتیں جس میں پائی جائیں گی وہ خالص منافق ہوگا، اور جس شخص میں ان میں سے ایک خصلت پائی جائے گی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے: (۱) جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب عہد و میثاق کرے تو توڑ ڈالے (۴) جب جھگڑا کرے تو گالی گلوج بکے۔

اہل عرب حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے دین توحید پر کاربند تھے، اور ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے ڈیڑھ دوسو سال پہلے ان میں توحید سے انحراف پیدا ہوا، عمرو بن لحی الخزاعی باہر سے بت پرستی اور بت لے کر آیا اور عربوں کو دین فطرت سے منحرف کر دیا، ہمارے نبی نے بعثت کے بعد شدید محنت کر کے عربوں کو اس سے چھٹکارا دلا کر پھر سے دین توحید پر قائم کیا اور پھر بے شمار قومیں اس دین کی پیروکار ہوئیں، لیکن کچھ صدیاں گذرنے کے بعد دیگر اقوام کی شرک وکفر اور نفاق پر مبنی جہالتیں اور عادات مسلمانوں میں داخل ہوگئیں اور توحید کا صاف شفاف چہرہ مسلمانوں میں بھی داغدار ہوگیا، بزرگوں کی تعظیم کے نام پر قبروں اور مزاروں پر وہ سب کچھ ہونے لگا جو قوم نوح میں بطور شرک شروع ہوا تھا اور جس نے مرور ایام کے ساتھ دین فطرت دین توحید اور اصل دین بنی آدم کے مقابل شرک وکفر اور نفاق و دہریت پر مبنی ایک عالمی مذہب کی شکل اختیار کر لی، اور دین توحید کو دہشت گردی کے وصف سے متصف کرنے کی پوزیشن میں آ گیا، گویا شرک وکفر اور نفاق اصل بن گیا اور دین توحید دین بنی آدم ثانوی درجہ میں آ گیا، موجودہ وقت میں جہالت کے سبب مسلمانوں کی بڑی تعداد دین توحید کے ثانوی درجہ پر قانع ہے، اور دین توحید سے منحرف ہو کر نکلنے والی کفر وشرک اور نفاق کی تاریک راہوں اور ان پر مبنی ثقافت وتمدن کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی اور انہیں روشن خیال کرتی ہے، یاد رکھئے کسی بھی فرد کے لیے زندگی کا یہی وہ قدم اور منزل ہے جب وہ توحید، اسلام اور اپنی موحدانہ فطرت سے منحرف ہو کر کفر، شرک اور نفاق کی پرخطر، مہلک اور آخرت کے بھیانک انجام والی راہوں پر چل نکلتا ہے، یہ سبق یاد رکھنا چاہئے کہ اصل دین توحید ہے، یہی اولاد آدم کا دین ہے، آج ہمیں بھلے دین توحید حاصل ہے مگر شرک وکفر اور نفاق کا انحراف وبگاڑ ہمیں بھی لگ سکتا ہے، جیسے گذشتہ اقوام کو لگا، ہمیں اس مفروضہ کا دھوکا نہیں لگنا چاہئے کہ ہم تو پیدائشی مسلمان ہیں، ابن ابی ملیکہ تابعی فرماتے ہیں کہ: "أدركت ثلاثين من أصحاب

رسول الله ﷺ كلهم يخاف النفاق على نفسه" میں نے رسول اللہ ﷺ کے تیس صحابہ کو پایا ہے جو سب کے سب اپنے نفس پر نفاق کے تسلط سے ڈرا کرتے تھے۔

اسود تابعی کہتے ہیں کہ: "كنا في حلقة عبد الله، فجاء حذيفة حتى قام علينا، فسلم ثم قال: لقد أنزل النفاق على قوم خير منكم، قال الأسود: سبحان الله، إن الله يقول: ان المنافقين في الدرك الأسفل من النار"۔ (النساء:۱۴۵) فتبسم عبد الله، وجلس حذيفة في ناحية المسجد، فقام عبد الله، فتفرق أصحابه، فرماني بالحصا، فجئته، فقال حذيفة: عجبت من ضحكه وقد عرف ما قلت. لقد أنزل النفاق على قوم كانوا خيرا منكم ثم تابوا فتاب الله عليهم" (البخاری مع الفتح:۲۶۶/۸) یعنی ہم لوگ کوفہ میں عبداللہ بن مسعود صحابی رسول کے حلقۂ درس میں بیٹھے تھے، اتنے میں صحابی رسول حذیفہ بن الیمان آ گئے، ہمارے پاس کھڑے ہوئے، سلام کیا، پھر کہنے لگے، بے شبہ نفاق تم لوگوں سے بہتر لوگوں پر اتارا گیا تھا، اسود نے تعجب سے سبحان اللہ کہا، اور بولے: اللہ تعالی تو فرماتا ہے: جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے، اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسکرائے، اور حذیفہ مسجد کے ایک گوشے میں جا بیٹھے پھر عبداللہؓ بن مسعود حلقہ درس سے کھڑے ہو گئے تو ان کے تلامذہ واصحاب بھی ادھر ادھر بکھر گئے۔ اسود کہتے ہیں پھر حذیفہؓ نے اپنے پاس بلانے کے لیے میری طرف کنکری پھینکی، میں ان کی خدمت میں آیا، تو حذیفہؓ کہنے لگے مجھے ان کے ہنسنے پر تعجب ہوا، حالانکہ جو میں نے کہا انہیں اس کا علم ہے۔ یقیناً نفاق ایسے لوگوں پر اتارا گیا جو تم لوگوں سے بہتر تھے، پھر انہوں نے توبہ کر لی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر کے ان پر رحم فرمایا۔

اس حدیث میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ کی جانب اشارہ کیا ہے، طبقۂ صحابہ تابعین سے بہتر ہوتا ہے، اللہ نے انہیں آزمائش میں ڈالا تو وہ مرتد اور منافق ہو گئے اور ان کی خیریت نہ رہی، کچھ توبہ کر کے پھر توحید کی جانب پلٹ آئے، حضرت حذیفہ نے یہ بات کہہ کر اپنے مخاطبوں کو چوکنا کیا ہے کہ دھوکہ میں نہ رہیں، اس لیے کہ دل الٹتے پلٹتے رہتے ہیں، تو انہیں ڈرایا کہ ایمان سے خارج نہ ہو جائیں کہ خاتمہ حسن عمل پر نہ ہو اور اگر اپنے ایمان پر بڑا اعتماد ہو پھر بھی اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہ رہیں، ان سے پہلے صحابۂ رسول کا طبقہ تھا جو ان سے بہتر تھا پھر بھی ان میں ایسے لوگ پائے گئے جو منافق اور مرتد ہو گئے، لہذا بعد کے طبقہ تابعین میں اس کے وقوع کا زیادہ امکان ہے، لہذا آج کل کے دور میں جو صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضیلت والے زمانہ سے بہت دور ہے نفاق اور شرک وکفر کے امکانات کہیں زیادہ ہیں، کبھی نسلی مسلمانیت سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے اور کتاب وسنت کے احکام پر ٹھیک ٹھیک عمل کرتے ہوئے بھی توحید واسلام سے منحرف ہو جانے کے خطرات سے ڈرنا اور چوکنا رہنا چاہئے۔

☆☆☆

خدمت خلق

مولانا اسعد اعظمی/ استاذ جامعہ سلفیہ

اپنی ذات اور اپنے آل اولاد کے لیے تگ ودو تو ہر شخص کرتا ہے، اور اس سے کسی کو چارہ بھی نہیں، مگر اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کے کام آنا، دوسروں کی ضرورتوں کا خیال رکھنا، ان کا تعاون اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل کرنا ایک عظیم سماجی اور انسانی عمل ہے تو ساتھ ہی اللہ رب العزت کی رضا اور ڈھیر سارے اجر وثواب کے حصول کا ذریعہ بھی ہے، خالق کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ مخلوق کے حقوق بھی ادا ہونے چاہئیں اور انسان اور دوسری ذی روح مخلوق کے ساتھ حسن سلوک اور تعاون کا جذبہ ہر سچے مسلمان کو رکھنا چاہیے، کتاب وسنت میں جگہ جگہ اس کی ترغیب ملتی ہے اور اس کے اجر وثواب کا بیان ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبىٰ – النحل: ۹۰﴾ (اللہ تعالی عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے)

احسان کے ایک معنی حسن سلوک، عفو ودرگذر اور معاف کردینے کے ہیں، دوسرے معنی تفضّل کے ہیں یعنی حق واجب سے زیادہ دینا یا عمل واجب سے زیادہ عمل کرنا۔ (إيتاء ذي القربى) یعنی رشتے داروں کا حق ادا کرنا یعنی ان کی امداد کرنا ہے، اسے حدیث میں صلہ رحمی کہا گیا ہے۔ (احسن البیان)

ایک مقام پر فرمایا:

﴿وَاعْبُدُواْ اللّهَ وَلَا تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالاً فَخُوراً – النساء: ۳۶﴾

(اللہ تعالی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو، اور رشتہ داروں سے، یتیموں سے، مسکینوں سے، قرابت دار پڑوسی سے اور اجنبی پڑوسی سے، پہلو کے ساتھی (جیسے رفیق سفر، شریک کار وغیرہ) سے اور راہ کے مسافر سے، اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں (غلام، لونڈی، نوکر چاکر وغیرہ) سب سے حسن سلوک کرو، یقیناً اللہ تعالی تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت کریمہ میں سماج کے مختلف طبقات جن میں اکثر کمزور اور ضرورت مند لوگ ہیں ان کے ساتھ بھلائی کرنے اور ان کی حاجت روائی کی ترغیب دی گئی ہے۔

ایک آیت میں ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوىٰ – المائدہ:۲﴾ فرما کر ہر نیکی اور تقوی کے کام میں ایک دوسرے کا تعاون کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور گناہ اور ظلم وزیدتی کے کاموں میں تعاون سے منع کیا گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی قولی اور فعلی دونوں طرح کی حدیثوں میں اس کا جگہ جگہ تذکرہ ملتا ہے، آپ کی قولی حدیثوں سے پہلے

آپ کے عمل اور آپ کے معمولات کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ جب نبی کریم ﷺ پر غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی اور حضرت جبرئیل امین آپ کے پاس آئے تو اس کے بعد آپ گھبرائے ہوئے واپس اپنے گھر اپنی بیوی ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان سے پورا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: "لَقَدْ خَشِيتُ عَلىٰ نَفْسِي" مجھے اپنی جان کا خوف ہو گیا ہے، اس موقع پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی ڈھارس بندھائی اور فرمایا: "كَلاَّ وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَداً" ہرگز نہیں! اللہ کی قسم اللہ تعالی ہرگز آپ کو رسوا نہیں کرے گا، بے یار و مددگار نہ چھوڑے گا، اور وجہ بتلائی کہ آپ تو خدمت خلق میں وقف رہتے ہیں:

"اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتُكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلىٰ نَوَائِبِ الْحَقِّ"۔ (بخاری)

آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں (رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں) بے کسوں کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں، مفلسوں کے لیے آپ کماتے ہیں، مہمان نوازی بھی کرتے ہیں اور مشکل وقت میں آپ امر حق کا ساتھ دیتے ہیں۔ (ترجمہ مولانا داود راز)

گویا حضرت خدیجہ یہ کہنا چاہتی تھیں کہ آپ تو مختلف طریقوں سے لوگوں کے کام آتے ہیں اور ان کی خدمت کرتے ہیں، ایسے اوصاف حمیدہ کا مالک اللہ کے لطف وعنایات کا مستحق ہوا کرتا ہے نہ کہ ذلت و بربادی کا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ گھر میں رہتے تو کیا کام کرتے تھے، انہوں نے جواب دیا: آپ اپنے اہل وعیال کی خدمت میں اور ان کے کاموں میں لگے رہتے تھے، اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے نکل پڑتے۔ (بخاری)

انسان کے حسن سلوک اور تعاون کے اولین مستحق اس کے اہل خانہ ہوتے ہیں، لہذا سب سے پہلے ان کی ضرورتوں کی تکمیل اور ان کا تعاون کرنا چاہیے، اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہی معمول بھی تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ کی لونڈیوں میں کوئی لونڈی نبی اکرم ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور (اپنی ضرورت کے مطابق) جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی۔ (بخاری) یعنی جہاں اسے کوئی کام ہوتا، کوئی تعاون مطلوب ہوتا وہاں تک آپ کو لے کر چلی جاتی اور اللہ کے رسول اس کی ضرورت کی خاطر اس کے ساتھ چلے جاتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (سفر میں قافلہ سے) پیچھے پیچھے چلتے تھے تو اس کی وجہ سے آپ کمزور کو (سہارا دے کر) چلاتے تھے یا اپنے پیچھے بیٹھا لیتے تھے اور اس کے لیے دعا بھی فرماتے تھے۔ (ابوداود، حاکم-صحیح الجامع)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سفر میں بھی آپ ضعیفوں اور بے سہارا لوگوں کی طرف سے غافل نہ رہتے بلکہ ان کی دلجوئی کرتے، انہیں حتی الامکان سہارا دینے کی کوشش کرتے، سالار قافلہ ہونے کے باوجود آپ ان ہی کمزوروں کا خیال رکھتے ہوئے پیچھے پیچھے چلتے۔

یہ تھے رسول اکرم ﷺ کے معمولات، حسن سلوک اور خدمت خلق کے تعلق سے، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ گھر میں ہوں یا گھر سے باہر، سفر میں ہوں یا حضر میں، ضرورت مندوں کا تعلق مردوں سے ہو یا عورتوں سے، آپ ہمیشہ اپنی شفقت ورحمت کا سایہ سب کے لیے دراز کیے رہتے، اور ہر ضرورت مند کے کام آنے کی کوشش کرتے۔

ان عملی نمونوں کے ساتھ متعدد حدیثوں میں آپ ﷺ نے اپنے اقوال کے ذریعہ افراد امت کی اس جانب توجہ مبذول

کرائی ہے اور دوسروں کے کام آنے اور انہیں حتی المقدور نفع پہنچانے کی ترغیب دی ہے، ساتھ ہی اس کے دنیوی واخروی فوائد اور اجر وثواب کا بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ پر ایمان رکھنا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا، میں نے کہا کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جو اپنے مالک کی نظروں میں سب سے زیادہ عمدہ اور سب سے زیادہ قیمتی ہو، میں نے کہا: اگر میں یہ نہ کرسکوں؟ آپ نے فرمایا: کسی کاریگر کی مدد کردو یا بے ہنر کا کام کردو، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ بتلائیں، اگر میں یہ بعض عمل کرنے سے بھی عاجز رہوں؟ فرمایا: تم لوگوں کو اپنے شر سے بچائے رکھو، یہ بھی تمہارا اپنے نفس پر صدقہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کی عملی شکلوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی کام انجام دے رہا ہو تو اس کا ہاتھ بٹا دیا جائے تا کہ وہ بآسانی اپنے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دے، اسی طرح اگر کوئی بے ہنر اور بے سلیقہ شخص کسی کام میں لگا ہے اور اس سے وہ کام ہو نہیں پا رہا ہے تو ہمدردی اور تعاون کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی بڑھ کر وہ کام اپنے ہاتھ میں لے لے اور اسے تکمیل تک پہنچا دے۔

اس حدیث میں ایک اصول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور دوسروں کے کام نہیں آسکتے تو کم از کم یہی کرو کہ دوسروں کو ضرر نہ پہنچاؤ، دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے باز رہنا بھی نیک عمل ہے اور صدقہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے انسان کے (جسم کے) ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ کرنا واجب ہے، (اس کے بعد آپ نے یہ وضاحت کرتے ہوئے کہ صدقہ صرف مال اور پیسے ہی سے نہیں کیا جاتا، فرمایا:)

''تمہارا دو آدمیوں کے درمیان انصاف (اور صلح) کرا دینا بھی صدقہ ہے، کسی آدمی کو اس کی سواری پر بٹھانے میں یا اس کا سامان اٹھا کر اس سواری پر رکھوانے میں اس کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے، اچھی بات کا (کہنا) صدقہ ہے، ہر اس قدم میں جس سے چل کر تو نماز کی طرف جائے صدقہ ہے، راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے''۔ (بخاری ومسلم)

کسی کے تعاون اور مدد کی ایک شکل (جائز اور مباح امور میں) سفارش کرنا بھی ہے، اس کی طرف بھی آپ ﷺ نے توجہ دلائی ہے، چنانچہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس جب کوئی ضرورت مند آتا تو آپ اپنے شرکائے مجلس کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے: ''(اس کے لیے) سفارش کرو، تمہیں بھی اجر دیا جائے گا، اور اللہ تعالی اپنے نبی کی زبان پر جو پسند فرماتا ہے فیصلہ فرما دیتا ہے''۔ (بخاری ومسلم)

الغرض دوسروں کے کام آنے، ان کے ساتھ بھلائی کرنے اور ان کو فائدہ پہنچانے کی جو بھی جائز شکل ہو اسے اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، ایک حدیث میں بہت ہی مختصر مگر جامع اسلوب میں کہہ دیا گیا ہے کہ "خَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ" (صحیح الجامع: ۳۲۸۹) یعنی لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو لوگوں کے لیے زیادہ نفع بخش ہو۔

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:

''جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد سواری ہو وہ بطور احسان کے اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے، اور جس کے پاس زائد توشۂ سفر ہے تو اسے اس شخص کو دے دے جس کے پاس توشہ نہیں ہے، اس طرح آپ نے مال کی اور بھی بہت سی قسمیں بیان فرمائیں (کہ جن کے پاس وہ ضرورت سے زائد ہوں تو وہ ضرورت مندوں اور محروموں کو دے دیں) یہاں تک کہ (راوی بیان کرتے ہیں کہ) ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی کا اپنی ضرورت سے زائد چیز میں کوئی حق نہیں ہے (کہ وہ اسے اپنے پاس جمع کر کے رکھے بلکہ اسے تقسیم کر دے)۔ (مسلم)

اجر وثواب:

انسانی ہمدردی اور خدمت خلق کے کاموں کی انجام دہی پر ڈھیر سارے اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے جو ایک مسلمان کو مزید جذبہ اور حوصلہ دیتے ہیں، یہ اجر وثواب دنیوی بھی ہیں اور اخروی بھی، یعنی صرف اخروی ثواب ہی تک معاملہ محدود نہیں ہے بلکہ اس عظیم عمل کا اچھا انجام آخرت سے قبل دنیا ہی میں بندہ دیکھ لیتا ہے، آخرت کے اجر وثواب کو بھی بعد میں دیکھے گا۔

چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر زیادتی کرتا ہے نہ اسے (بے یار ومددگار چھوڑ کر دشمن کے) سپرد کرتا ہے، جو اپنے (مسلمان) بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہو اللہ تعالی اس کی حاجت پوری کرتا ہے، جو کسی مسلمان سے کوئی پریشانی دور کرتا ہے اللہ تعالی اس کی وجہ سے اس کی قیامت کی پریشانیوں میں سے کوئی بڑی پریشانی دور فرمادے گا، اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا''۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے کسی مومن سے دنیا کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی، اللہ تعالی اس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی بڑی تکلیف دور فرمادے گا، جس نے کسی تنگ دست اور بدحال شخص پر آسانی کی، اللہ تعالی اس پر دنیا وآخرت میں آسانی فرمائے گا، جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالی دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا، اللہ تعالی بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے..''۔ (مسلم)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''بیواؤں اور مسکینوں کی خبر گیری کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے (راوی حدیث کہتے ہیں کہ) میرا گمان ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ اس عبادت کرنے والے (تہجد گزار) کی طرح ہے جو سست نہیں ہوتا اور اس روزے دار کی طرح ہے جو ناغہ نہیں کرتا''۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث میں بیوہ اور مسکین کا تذکرہ محض مثال کے طور پر ہے ورنہ اس سے مراد معاشرے کے تمام ضرورت مند، نادار اور معذور افراد ہیں، ان کی کفالت، خبر گیری اور ان کے لیے دوڑ دھوپ کو اجر وثواب میں جہاد فی سبیل اللہ کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

رحمت وشفقت اور خبر گیری کا معاملہ صرف کمزور اور ضرورت مند انسانوں تک محدود نہیں، اسلام نے بے زبان جانوروں تک کی خدمت اور ان پر شفقت ورحمت کی تعلیم دی ہے اور اسے ڈھیر سارے اجر ثواب والا عمل بتایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک مرتبہ ایک آدمی راستے پر چلا جارہا تھا کہ اسے سخت پیاس لگی، اس نے ایک کنواں پایا تو اس میں اتر کر اس نے پانی پیا، پھر باہر نکل آیا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کے مارے زبان باہر نکالے (ہانپتے ہوئے) کیچڑ چاٹ رہا ہے، پس اس آدمی نے سوچا کہ اس کتے کو بھی اسی طرح پیاس نے ستایا ہے جس طرح میں اس کی شدت سے بے حال ہوگیا تھا، چنانچہ وہ دوبارہ کنویں میں اترا اور اپنا موزہ پانی سے بھرا اور اسے اپنے منھ سے پکڑے اوپر چڑھ آیا اور کتے کو پانی پلایا، اللہ تعالی نے اس کے اس عمل اور اس جذبے کی قدر کی اور اسے معاف فرمادیا، (یہ سن کر) صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہمارے لیے چوپایوں (میں ترس کھانے) میں بھی اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: (ہاں) ہر تر جگر والے (یعنی زندہ یا جاندار کی خدمت اور دیکھ بھال) میں اجر ہے''۔ (بخاری ومسلم)

اور بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے اس شخص کو جنت میں داخل کردیا۔

اور بخاری ومسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ بنو اسرائیل کی ایک فاحشہ اور بدکار عورت نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اللہ تعالی نے اس عمل کی وجہ سے اسے بخش دیا۔

اس کے برعکس ایک دوسرا عمل اور اس کا انجام ملاحظہ فرمائیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا، اس نے اس بلی کو قید کر رکھا تھا، یہاں تک کہ وہ مرگئی، پس اس کی وجہ سے وہ جہنم میں گئی، نہ تو اس نے اس کو کھلایا پلایا جب کہ اس نے اسے قید کر رکھا تھا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ خود زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی''۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میں نے ایک آدمی کو جنت میں چلتے پھرتے دیکھا (اس کے جنت میں داخلہ کا سبب یہ تھا کہ) اس نے اس درخت (یا اس کی شاخ) کو کاٹ دیا تھا جو راستے کے درمیان میں تھا اور مسلمانوں کو اس کی وجہ سے تکلیف اومشقت ہوتی تھی''۔ (مسلم)

راستے سے ضرر رساں اور تکلیف دہ چیزوں کو ہٹادینا بہت ہی نیک اور اللہ کو محبوب عمل ہے، اس سے ہزاروں مخلوق کو راحت ملتی ہے، افسوس کہ بہت سے لوگ اس ہدایت نبوی کے برعکس راستوں میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں یا اور کسی طرح سے راہ گیروں کو تکلیف میں مبتلا کرنے والا کام کرتے ہیں جو سراسر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اور انسانی ہمدردی کے بھی خلاف ہے، اور سراسر اللہ کی ناراضگی مول لینے کا سبب ہے۔

آج دنیا کی دوسری قومیں عوام کی بھلائی اور خدمت خلق کے لیے تنظیمیں بنابنا کر میدان میں کام کررہی ہیں، فلاحی ادارے، مشن اسپتال وغیرہ بنا کر لوگوں کو فائدہ پہنچارہی ہیں، حالانکہ ہمارے دین نے ان کاموں کی جتنی ترغیب دی ہے اور جتنا زور دیا ہے اتنا شاید ہی کسی اور مذہب میں زور دیا گیا ہو، مگر افسوس کہ مسلمان اس عملی میدان میں بہت پیچھے ہیں، حالانکہ یہ عمل دوسروں کو اپنے سے قریب کرنے اور اسلام کی طرف مائل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، کسی عربی شاعر نے کہا ہے:

أَحْسِنْ إِلَى النَّاسِ تَسْتَعْبِدْ قُلُوْبَهُمْ فَطَالَمَا اسْتَعْبَدَ الإِنْسَانَ إِحْسَانُ

لوگوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کروان کے دلوں کو اپنا غلام بنالو گے، کیونکہ احسان (حسن سلوک) ہمیشہ انسان کو گرویدہ بنایا کرتا ہے۔ جب کہ دنیاوی اور اخروی اجر وثواب الگ ہیں جن کا ان کاموں کی انجام دہی پر وعدہ کیا گیا ہے۔

اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ یہ بھولا ہوا سبق ہمیں پھر سے دہرانے کی توفیق عطا فرمائے اور دین حنیف کا صحیح چہرہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کی توفیق دے۔ ☆☆

(بقیہ درس قرآن)

شروع میں مصنف کی توجہ مسانید کی طرف زیادہ تھی، یہ وہ کتابیں ہیں جن میں ہر صحابی سے منقول احادیث کو حروف تہجی کے اعتبار سے الگ الگ مرتب کیا جاتا، یہ ترتیب صحابہ کے نام یا قبیلہ یا اسلام میں سبقت کے اعتبار سے ہوتی اور اس میں اس صحابہ سے منقول تمام روایات کو درج کرتے، اس میں صحیح، حسن یا ضعیف روایتیں بھی شامل ہوتیں۔ غرض یہ تھی کہ صحابہ کرام سے منقول تمام روایات کو جمع کرلیا جائے، اسی لیے اکثر کتابوں میں ایسی احادیث بھی پائی جاتی ہیں جو صحت کے درجہ کو نہیں پہونچتی اور ان میں ضعیف اور منکر حدیثیں بھی شامل ہوگئی ہیں۔

یہ وضع جو عام ہوئی تو اس سے منحرف اور باطل فرقوں کو سہارا ملا اور اس زمانہ میں پائے جانے والے فرقے مثلاً معتزلہ، باطنیہ، اہل التشیع، اہل تصوف، قدریہ، جہمیہ اور مجسمہ وغیرہ نے بھی اس نہج کو اختیار کیا، نتیجہ یہ نکلا کہ کتب حدیث میں من گھڑت اور موضوع روایتیں شامل ہوگئیں، اور حجیت حدیث کے مسئلہ کو لے کر فتنہ پیدا ہوا، خبر آحاد کا انکار کیا جانے لگا، محدثین کرام اس کا دفاع کرتے رہے، اسی طرح سے اہل فقہ نے بھی حدیث کی قبولیت کے لیے کچھ ایسی شرطیں ایجاد کیں جو محدثین کے اصول سے متصادم تھی، اہل فقہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ خبر آحاد چاہے وہ جتنی بھی صحیح اور مضبوط سند سے مروی ہو اگر قرآن سے متصادم ہوگی یا عام رواج سے مخالف ہوگی اس کو قبول نہیں کیا جائے گا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ متکلمین نے حدیث کے دائرہ کو تنگ کردیا اور قیاس کا میدان وسیع تر ہوتا گیا۔

محدثین کرام نے اس کے مقابلہ کے لیے علمی اور تطبیقی اصول بنائے اور صرف زبانی دفاع پر اعتماد نہ کیا، اور حدیث کی صحت کو جانچنے کے لیے وہ سخت قانون مرتب ہوئے جن سے متن اور سند دونوں کو جانچا جاسکے اور پھر ایسی کتابوں کی تصنیف پر توجہ ہوئی جس میں ان اصول کی بنیاد پر صرف صحیح اور ثابت احادیث رسول اور اقوال صحابہ کو اکٹھا کیا گیا، کیونکہ حالات صحیح احادیث کو الگ کرکے ترتیب دینے کے متقاضی تھے۔

اس میدان میں سب سے پہلے جس اللہ کے بندہ نے کمر کسی وہ امام المحدثین محمد بن اسماعیل البخاری ہیں، جن کا خود بیان ہے کہ ہم اسحاق بن راہویہ کے پاس بیٹھے تھے، ہمارے بعض ساتھیوں نے کہا: "لو جمعتم كتابا مختصرا لسنن النبي ﷺ فوقع ذلك في قلبي فأخذت في جمع هذا الكتاب" کاش آپ نبی کریم ﷺ کی سنتوں پر ایک مختصر کتاب لکھ دیتے، امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ بات میرے دل میں اتر گئی اور میں اس کتاب کی ترتیب وجمع کرنے میں لگ گیا۔ اور آپ نے اس کتاب کا نام رکھا "الجامع الصحيح المسند المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه وأيامه" اور آپ نے اس میں صحیح ترین احادیث کو ہی اکٹھا کیا، کیونکہ آپ کو اختصار مقصود تھا، احصاء نہیں۔

تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی (وفات: ۴۶۳) نے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ "صنفت كتابي الصحيح لست عشر سنة، خرجته من ست مائة ألف حديث وجعلته حجة بيني وبين الله" (تاریخ بغداد: ۲/۱۴) میں نے اپنی کتاب صحیح (بخاری) کو سولہ سالوں میں تصنیف کیا ہے، اور چھ لاکھ حدیثوں میں سے ان کو الگ کیا ہے۔

☆☆☆ (جاری)

انسانی کرامت واعضاء کی پیوندکاری

تحریر: ڈاکٹر محمد فوزی فیض اللہ ترجمہ: عبدالمنان محمد شفیق السّلفی

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ولقد كرمنا بني آدم وحملناهم في البر والبحر ورزقناهم من الطيبات وفضلناهم على كثير ممن خلقنا تفضيلا﴾ (سورۃ الاسراء:۷۰)

ترجمہ: یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔

انسان کی تکریم کا سبب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اس کی تخلیق خود اپنے ہاتھوں سے کی اور اسے ایک تناسب اور اچھی شکل وصورت عطا کی، آنکھ، کان، ناک اور دوسری صلاحیتوں سے بہرہ ور فرمایا، اور عقل جیسی نعمت، علم جیسی دولت اور گویائی جیسی صلاحیت سے نواز کر اسے دنیا کی تمام مخلوقات پر فضیلت وبرتری عطا فرمائی اور اس کی فطرت میں گوناگوں صلاحیتیں ودیعت فرمائیں اور فرشتوں کو اس کے آگے سربسجود ہونے کا حکم دیا، اور کائنات کو اس کے تابع بنایا، زمین میں اسے اپنا نائب وخلیفہ مقرر کیا، اور اپنے دین کی اشاعت، شریعت کی تبلیغ اور احکام کی بجا آوری اس کے ذمہ ڈالی۔

اس تکریم کا تقاضا یہ ہے کہ نسل انسانی کی حفاظت وبقا کی کوشش کی جائے لیکن اس کے لیے صرف صحیح اور شرعی طریقہ ہی اپنایا جائے، اور دیگر تمام طریقوں سے بچا جائے اور ساتھ ہی ان تمام وسائل وذرائع سے مکمل احتراز کیا جائے جو ایک طرف اس کی تکلیف کا سبب یا اس کی کمزوری کا باعث ہیں اور دوسری طرف اس کو موت یا اس کے اعضاء میں قطع وبرید تک لے جانے والے ہیں، کیونکہ کسی نفس کا ناحق قتل کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما﴾ (سورۃ النساء:۲۹)

ترجمہ: اے مسلمانو! تم خود سے اپنی جانوں کو ہلاک مت کرو بلاشبہ اللہ تعالی تم پر مہربان ہے۔

اس طرح سے اللہ تعالی نے انسان کو خودکشی کرنے سے یا ایک دوسرے کو قتل کرنے سے روک دیا ہے، اور ان تمام چیزوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے، جو قتل اور ہلاکت کا موجب ہیں، مثلا ہیروئن، اسمیک اور دیگر نشہ آور ادویات اور انسانی جسم کے لیے نقصان دہ زہروں کا استعمال اور اس قبیل کی دیگر چیزیں اس کے اندر شامل ہیں، اس کی دلیل حضرت عمرو بن عاص کی روایت ہے:

"ففي حديث عمرو بن العاص انه لما بعث في غزوة ذات السلاسل قال احتلمت في ليلة باردة شديدة البرد، فاشفقت إن اغتسلت ان أهلك فتيممت ثم صليت بأصحابي صلاة الصبح، فلما قدمنا على رسول الله ﷺ ذكروا ذلك له فقال يا عمرو صليت بأصحابك وأنت جنب؟ فقلت ذكرت قول الله تعالى ولا تقتلوا أنفسكم ان الله كان بكم رحيما فتيممت ثم صليت فضحك رسول الله ﷺ ولم يقل شيئا۔ (رواہ احمد وابوداود)

ترجمہ: عمرو بن عاص کی روایت ہے، وہ غزوہ ذات السلاسل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک رات کڑاکے کی

سردی پڑ رہی تھی اور مجھے احتلام ہوگیا، یہ سوچ کر اگر میں غسل کروں گا تو موت کا خطرہ ہے، میں نے تیمّم کرلیا اور اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھائی، جب ہم وہاں سے واپس ہوئے اور اس کا تذکرہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کیا گیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ اے عمرو! کیا تو نے اپنے ساتھیوں کو حالت جنابت میں نماز پڑھائی تھی، میں نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اس موقع پر اللہ تعالی کا یہ کلام: "ولا تقتلوا أنفسكم ان الله كان بكم رحيما" یاد آ گیا تھا، لہذا میں نے تیمّم کیا اور نماز ادا کی، اس پر نبی کریم ﷺ مسکرائے، اور کچھ نہیں کہا۔

اس طرح شریعت نے قطعا اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے کو عمدا قتل کرے کیونکہ کوئی بھی فرد جو حلقہ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے، اسلام اس کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہے، البتہ کچھ صورتیں ایسی ہیں جب ایک مسلمان کا خون حلال ہوجاتا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

"ومن يقتل مومنا متعمدا فجزاء ه جهنم خالدا فيها" (سورۃ النساء:۹۳)

ترجمہ: وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: "لا يقتلون النفس التي حرم الله إلا بالحق" (الفرقان:۶۸)

ترجمہ: اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے۔

اور اللہ کے رسول نے ایک دوسرے کو قتل کرنے کو کفر سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "لا ترجعوا بعد كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض"۔

ترجمہ: میری وفات کے بعد کافر مت ہوجانا کہ تم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ (بخاری)

اور ایک دوسری روایت میں ہے: "وفي الصحيح عن أنس بن مالك عن النبي ﷺ قال أكبر الكبائر الاشتراك بالله وقتل النفس وعقوق الوالدين"۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: صحیح بخاری میں حضرت انس کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کبیرہ گناہوں میں بڑے گناہ یہ ہیں، خدا کی الوہیت میں کسی کو شریک ٹھہرانا، مسلمان کا قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔

لیکن مذکورہ بالا حکم کے اندر دو صورتیں شامل نہیں ہیں:

(۱) قتل خطا: یعنی وہ قتل جو کسی غلط فہمی کے نتیجہ میں ہوگیا ہو، ایسی صورت میں قاتل کے ذمہ صرف کفارہ اور دیت کی ادائیگی لازم ہوگی، اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

(۲) قتل حق: اسلام کی نگاہ میں جو امور موجب قتل ہیں اگر کوئی مسلمان ان کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو اس کا قتل کرنا شرعا درست ہے، اس کی دلیل حسب ذیل روایت ہے:

"عن عبد الله بن مسعود ؓ قال قال رسول الله ﷺ لا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله الا بإحدى ثلاث النفس بالنفس، والشيب الزاني والمارق من الدين التارك للجماعة"۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان جو شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں تو اس کا خون حلال نہیں ہے، مگر صرف تین باتوں سے:

(۱)اس نے کسی مسلمان کا قتل کیا ہوتو قصاص میں اسے بھی قتل کردیا جائے گا۔
(۲)اس نے شادی شدہ ہونے کے بعد کسی عورت کے ساتھ زنا کیا ہو۔
(۳)وہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہوجائے۔

ظلم وزیادتی کی تمام صورتیں خواہ اس کا ارتکاب مسلمان کے ساتھ ہو یا غیر مسلم کے ساتھ، یکساں طور پر حرام ہے اور فریق مخالف کے ساتھ اس سلسلے میں امتیاز برتنا کسی بھی صورت میں صحیح نہیں خواہ جہاد کا ہی زمانہ کیوں نہ ہو اور دونوں آپس میں برسر پیکار ہوں، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

"وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا" (سورۃ البقرۃ:۱۹۰)

ترجمہ: اور راہ خدا میں ان لوگوں کے خلاف قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں، لیکن حد اعتدال سے آگے مت بڑھو۔

اس کا مطلب ہے کہ کفار سے قتال ضرور کرو، لیکن کفار سے جنگ میں اعتدال سے آگے مت بڑھو، ان کی لاشوں کا مثلہ مت کرو، عورتوں، معصوم بچوں اور بے کار و نااہل بوڑھوں کو قتل کرنے سے گریز کرو، پادریوں، گرنتھیوں اور سادھوؤں کو ہلاک مت کرو اور صرف انہیں سے جنگ کرو جو تمہارے مقابلہ میں آتے ہیں، ففي حديث بريدة أن رسول الله ﷺ كان يقول: "اغزوا في سبيل الله قاتلوا من كفر بالله، اغزوا ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقتلوا الوليد ولا أصحاب الصوامع"۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: بریدہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے تھے: ''اللہ کے راستہ میں غزوہ کرو، منکرین خدا سے قتال کرو، جہاد کرو، لیکن بدعہدی وخیانت سے بچو، مثلہ مت کرو اور بچوں کو قتل مت کرو، نہ پادریوں، گرنتھیوں اور سادھوؤں کو۔ (مسلم)

زمانۂ جنگ میں جب اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دوران جنگ فریق مخالف کے ساتھ تجاوز مت کرنا، بوڑھوں بچوں کو قتل مت کرنا وغیرہ تو اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امن وآشتی کے زمانے میں اس کی تعلیمات کیا ہوں گی اور اس نے مسلمانوں کو کس طرح کی رہنمائی کی ہوگی۔

اہل عرب کا کہنا ہے کہ اللہ تعالی کے قول "ولا تقتلوا" میں مفعول یا متعلق محذوف ہے جو کہ اس بات کی علامت ہے کہ نہی عام ہے اور علی الاطلاق حد سے تجاوز کرنے سے روکا گیا ہے، یعنی کسی پر بھی حد سے تجاوز نہ کرو، اور اعتداء کا معنی یہ ہے کہ جس چیز پر اکتفا کیا جاسکتا ہے اس سے آگے بڑھ جانا اور عدوان خواہ نفس کے ساتھ ہو یا غیر نفس کے ساتھ، کم ہو یا زیادہ سب کا حکم یکساں ہے اور سب حرمت میں برابر ہیں، مثلا بنا کسی مصلحت کے جانداروں کا قتل کرنا، درختوں کا کاٹنا یا نذر آتش کرنا وغیرہ۔

اور جب اسلام نے غیر مسلم کافر کے ساتھ ظلم وزیادتی کو سخت ناپسند کیا ہے اور اس کو حرام قرار دیا ہے تو پھر کسی مسلمان کے ساتھ ظلم وزیادتی کسی کافر کی بہ نسبت عظیم تر گناہ ہے بلکہ اسلام نے اس کی بھی اجازت نہیں دی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے کو قول، فعل یا نظر سے تکلیف پہنچائے، حدیث شریف میں ہے:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده"۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: کامل مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

"لا يحل لمسلم أن ينظر الى أخيه بنظر يؤذيه" (رواہ ابن المبارک مرسلا)

ترجمہ: ایک مسلمان کے لیے ناجائز ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تکلیف دہ نظروں سے دیکھے۔

ایک اور روایت میں ہے: "لا یحل لمسلم أن یروع مسلما" (رواہ احمد وابوداود والطبرانی)

ترجمہ: کسی مسلمان کو ڈرانا دھمکانا اور خوف دلانا کسی مسلمان کے لیے درست نہیں ہے۔

احادیث کے اندر بے شمار روایتیں اس سلسلے کی ملتی ہیں جو کسی مسلمان کو تکلیف پہونچانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں چہ جائیکہ اس کے کسی عضو کو شریعت نے کاٹنے یا نکالنے کی اجازت دی ہو اور یہاں ہماری بحث کا موضوع بھی یہی ہے۔

شریعت نے انسان کے اندر کسی بھی طرح کے تصرف کی اجازت نہیں دی ہے، خواہ تصرف کا عمل اس کی زندگی میں ہو یا موت کے بعد، تصرف مجسم انسان کو فروخت کرنے کی صورت میں ہو یا اس کے کسی عضو کو فروخت کرنے کی شکل میں، غرضیکہ تصرف کی کوئی بھی قسم کسی طرح عمل میں لائی جائے، بہرحال ناجائز وحرام ہے اور اس طرح کی کوئی بھی بیع شرعا منعقد نہیں ہوگی، بلکہ وہ سراسر باطل ہے، دلیل مندرجہ ذیل روایت ہے:

"عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: قال الله تعالى: ثلاثة انا خصمهم يوم القيامة: رجل أعطى بي ثم غدر، رجل باع حرا فأكل ثمنه، ورجل استاجر جيرا فاستوفى منه ولم يعطه أجره۔ (رواہ البخاری واحمد)

ترجمہ: ابوہریرہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالی کا ارشاد ہے: تین طرح کے لوگ ہیں کہ بروز قیامت میں ان کا فریق مخالف ہوں گا، ایک آدمی جس نے میری اطاعت قبول کی پھر بدعہدی کر گیا، دوسرا وہ آدمی جس نے کسی آزاد شخص کو بیچا پھر اس کی قیمت کھا گیا، تیسرا وہ آدمی نے جس نے کسی شخص کو اجرت پر رکھا پھر اس سے پورا کام لیا، اور اسے اس کی اجرت نہ دی۔ (احمد، بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد کی بیع وشراء حرام ہے، اور آزاد کا فروخت کنندہ ایک عظیم گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، کیونکہ تمام آزاد انسان خدا کی ملکیت ہیں اور آزاد کا فروخت کرنے والا غاصب کے مثل ہے جو اللہ کے ایک ایسے بندہ کو غصب کرنے کا سزاوار ہوا ہے جس کے اوپر خدا کے سوا کسی کا کوئی حق نہیں ہے، لہذا اللہ تعالی روز قیامت غاصب کے خلاف ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ آزاد کے بیع کے عدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کے مابین کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، ابن منذر کا کہنا ہے کہ تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ آزاد کی بیع وشراء باطل ہے۔

اور بیع کے ناجائز ہونے کی وجہ فقہاء یہ بتلاتے ہیں کہ آزاد شخص یا اس کا عضو مال نہیں ہوتا ہے جبکہ تمام فقہاء کے نزدیک متفقہ طور پر بیع کے صحیح ہونے کے لیے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ محل بیع تقاوم کو قبول کرتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ بیع مال ہو، اس کی قیمت ہو اور اس سے انتفاع جائز ہو۔

اس کے برخلاف ہم بخوبی واقف ہیں کہ انسان من حیث المجموع کسی کی ملکیت نہیں ہوتا ہے، کیونکہ صرف اموال اور اشیاء ہی حقوق اور بیع وشراء کا محل ہوتی تھیں اور ان کے اوپر ملکیت وغیرہ کے احکام جاری ہوتے ہیں، اور انسان بقول سرخسی مال کا مالک ہوتا ہے، مملوک نہیں ہوا کرتا اور اس لیے مال ومالک مال ہونے کے مابین مغایرت پایا جاتا ہے۔

کاسانی کے کہنے کے مطابق اگرچہ حنفیہ نے اطراف انسان ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، ناک اور اس طرح کے دیگر اعضاء کو مال کے مشابہ بتلایا ہے، یعنی ان کے ساتھ مال جیسا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ (بدائع الصنائع) لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ درحقیقت وہ مال ہیں یا مالیت کے درجہ میں ہیں، بلکہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ اگر کسی سے بسبب خاص قصاص کا حکم ساقط ہو جاتا

ہے تو اس کا تاوان مال اور دیت کے ذریعہ ادا کیا جائے گا، جیسا کہ مقتول کے اولیاء قاتل کو معاف کر دیں، جب ہاتھ کاٹنے کا حکم ہو اور قاطع طبیب کے علاوہ کوئی غیر ہو تو قصاص کے بجائے دیت ادا کی جائے گی، کیونکہ یہاں قطع ید کے حکم میں ایک شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس صورت میں شبہ حقیقت کے درجہ کو پہونچ جاتا ہے، لہذا قصاص ساقط ہو جائے گا، لیکن تاوان بہر حال واجب ہوگا، کیونکہ شبہ کی بنیاد پر قصاص کا سقوط مال کے وجوب سے مانع نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ انسان اور اس کا کوئی بھی عضو خرید وفروخت کا محل نہیں ہوسکتا اور یہ چیز تمام فقہاء کے نزدیک ثابت ومسلم بھی ہے، لیکن اس حکم سے مرضعہ (دایہ) کے دودھ کو مستثنی کر دیا گیا ہے، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو اسے بھی شرعا درست نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ دودھ بھی مرضعہ کا جز ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود عقد رضاعت جائز ہے، اور اس کی بیع وشراء کی جاسکتی ہے، اور اس کا سبب جواز بچہ کی ضرورت نشو ونما ہے، کیونکہ اس بچہ کو بھی دنیا میں رہنے کا حق حاصل ہے، جس کا حصول محض دودھ کی غذا سے ہی ممکن ہے، اور اس کا یہ حق انسان کی کرامت وعظمت سے کہیں زیادہ اہم وضروری ہے، اور کسی انسانی زندگی کی حفاظت معنوی اعتبار سے بھی مقدم ہوا کرتی ہے، کیونکہ اس سے ایک ذات کا مسئلہ وابستہ ہوتا ہے، اور اس سے بنفسہ ایک ذات کی بقا ہے، یہی وجہ ہے کہ شریعت میں ضرورت کے تحت عقد رضاعت جائز ہے۔

فقہاء کے یہاں رضاعت اجارہ کی طرح ہے جس میں مرضعہ بچہ کو دودھ پلانے کے بدلہ اجرت کی مستحق ہوتی ہے، فقہی قیاس کا تقاضہ ہے کہ یہ بیع ناجائز ہو کیونکہ بیع ایک شیئی دودھ کے استہلاک (صرف) کرنے کی ہو رہی ہے اور اجرت شئی کے بجائے منفعت کی دی جارہی ہے، لیکن فقہاء نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ بیع کا اصل مقصد استہلاک لبن اور (دودھ کا خرچ کرنا) نہیں ہوتا بلکہ مقصد بچہ کی خدمت اور اس کو دودھ پلانا ہوتا ہے جس کا لازمی نتیجہ دودھ کا استہلاک ہے، لہذا یہ خدمت کے تابع ہے، اس لیے جائز ہے، بہت سے ایسے امور ہیں جو اصلا جائز نہیں ہوتے، لیکن کسی چیز کے تابع ہو کر ان کی بیع درست ہو جاتی ہے، یہی حال یہاں مرضعہ کے دودھ کا بھی ہے کہ اس کا مستقلا بیع کرنا درست نہیں ہے، لیکن تبعا جائز ہے۔

یہ استثناء بطور استحسان ہے جس کی دلیل مندرجہ ذیل آیت ہے۔

﴿فإن أرضعن لكم فاتوهن أجورهن﴾ (سورۃ الطلاق:٦)

ترجمہ: اگر وہ تمہارے لیے (بچے کو) دودھ پلائیں تو ان کی اجرت انہیں دو۔

مضطر کا انتفاع اپنی ذات سے:

کیا مضطر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ خود اپنے بدن سے نکالے ہوئے کسی عضو کا استعمال اپنی بقا کے لیے کرے؟ اس مسئلہ کی بابت امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: جواز کی ہے اور یہ قول ابو اسحاق کا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی انسان اپنے جسم کا کوئی عضو استعمال کرتا ہے اور اسے دوبارہ زندگی مل جاتی ہے تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس کی اجازت ہے اور اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جب کسی انسان کے جسم کا کوئی عضو سڑ جاتا ہے، جس سے اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے، ایسی صورت میں اس عضو کو جسم سے نکال دیا جاتا ہے اور ایسا مریض کی زندگی کو بچانے کے لیے کیا جاتا ہے، لہذا ایک مضطر کے لیے بھی یہ جائز ہے کہ وہ اپنے جزء بدن کا استعمال کر کے اپنے آپ کو ہلاکت سے بچائے۔

دوسری صورت عدم جواز کی ہے، اس کے قائل بعض شافعیہ ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مضطر اپنے جسم کا عضو کاٹ کر جس چیز سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اس سے چھٹکارا کی امید تو نہیں ہے، البتہ مزید اس کے خطرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے اور اس کی یہ تدبیر الٹے اس کے گلے کا پھندا بن سکتی ہے، لہذا ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

مذکورہ بالا دونوں صورتوں سے قطع نظر اس نوعیت سے غور کرنا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ نکالے جانے والے عضو کی جسم کے اندر کیا پوزیشن ہے اور اس کی جسم انسانی میں کیا حیثیت ہے، اگر اس کے بغیر انسان کا زندہ رہنا مشکل ہے اور اس کے نکالنے سے موت کا وقوع یقینی ہے یا اگر انسان مرتا نہیں ہے لیکن بمثل مردہ ہو جاتا ہے ایسی صورت میں اس طرح کے عضو کا نکالنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ مانند خودکشی ہے، جسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے، حدیث میں ہے: "من قتل نفسه بحديدة فحديدته في يده يتوجأ بها في بطنه في نار جهنم خالدا مخلدا فيها، ومن شرب سما فقتل نفسه فهو يتحسّاه في نار جهنم خالدا مخلدا فيها أبدا ومن تردى من جبل وقتل نفسه فهو يتردى في نار جهنم خالدا مخلدا فيها أبدا"۔ (مسلم، کتاب الایمان ح:۳۰۰)

ترجمہ: جس نے کسی آلے کے ذریعہ اپنے کو ہلاک کرلیا تو وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں ہوگا اور اس آلے کے ذریعہ اپنے پیٹ کو کوٹ رہا ہوگا، اور جس نے زہر پی کر اپنی جان خود دے دی تو ایسا شخص جہنم میں ہمیشہ ہوگا، اس حال میں کہ زہر کا پیالہ اس کے ہاتھ میں ہوگا، اور جس نے کسی پہاڑ سے گر کر کے خودکشی کر لی اس کا ٹھکانہ (بھی) جہنم میں ہمیشہ ہمیش کے لیے ہوگا۔

لیکن اگر نکالے جانے والے عضو کی حیثیت یہ نہیں ہے، بلکہ انسان اس کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے اور تجربہ بتلاتا ہے کہ اس کے نکالنے سے انسان قطعی طور پر موت کا شکار نہیں ہوگا، یا ماہر طبیب کا کہنا ہے کہ اس سے موت نہیں ہوگی، جیسا کہ اگر انسانی جسم سے ہاتھ، انگلیاں اور گردے کو نکال دیا جائے تو انسان کی موت نہیں ہوتی ہے، اس صورت میں اس طرح کے عضو نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ایسا کرنا صرف دو صورتوں میں صحیح ہوگا۔

(۱) اس کے علاوہ کوئی دوسری شئی اس کی جگہ کام نہ دے سکتی ہو۔ (۲) اس سے ہلاکت کا اندیشہ ہو۔

دوسرے کے علاج کے لیے زندہ انسان کے اعضاء کا استعمال:

اس سلسلے میں امام نووی نے صراحت کی ہے کہ:

(۱) کسی انسان کے لیے اپنی بقاء زیست کی خاطر کسی دوسرے معصوم انسان کے عضو کو استعمال کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے۔

(۲) کسی دوسرے شخص کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کا کوئی عضو کاٹ کر مضطر کو دے دے، اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے، اس کی صراحت امام الحرمین اور اصحاب نے کی ہے۔ (المجموع)

جس طرح کہ حنفیہ کا کہنا ہے کہ ایک مضطر کے لیے دوسرے مضطر کا کھانا (طعام) یا اس کے بدن کا کوئی حصہ کھانا جائز نہیں ہے، اس کی علت انہوں نے یہ بتلائی ہے کہ ایک ضرر کا ازالہ دوسرے ضرر سے جائز نہیں ہے۔ (الاشباہ والنظائر لابن نجیم)

زندہ انسان کا اپنے کسی عضو کو دوسرے کے علاج کے لیے دینا:

یہ ایثار واحسان کی ایک صورت جس کی ترغیب قرآن میں دی گئی ہے، ارشاد باری ہے: ﴿ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعا﴾ (سورہ مائدہ:۳۲)

ترجمہ: اور جو کسی نفس کے لیے زندگی کا باعث بنا تو گویا اس نے پوری کائنات انسانیت کو زندگی عطا کردی۔

اس کے برعکس حنفیہ کے ظاہری نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ اگر عضو کو نکال کر خود اسی شخص کا علاج مقصود ہو تو جائز ہے، لیکن اگر مقصد اس کے سوا کچھ اور مثلاً مضطر کا کھانا ہے تو درست نہیں ہوگا۔ (ردالمختار علی الدرالمختار)

اور ابن عابدین کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میرا ہاتھ کاٹو اور کھاؤ تو دوسرے شخص کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ انسان بہرحال مکرم ومعظم ہے، اور اس کا گوشت بہرصورت مباح نہیں ہے، خواہ اضطرار ہی کی صورت کیوں نہ ہو۔ (ردالمختار علی الدرالمختار)

یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں بوقت اضطرار انسان کے گوشت کا استعمال مطلق طور پر حرام ہے، ایک انسان نہ خود اپنا گوشت استعمال کرسکتا ہے، اور نہ دوسرے کو دے سکتا ہے، اور اس کی وجہ انسان کی کرامت وعظمت ہے۔

اور اسی طرح ان کے یہاں علاج کے سوا کسی اور مقصد کی خاطر انسانی اعضاء میں سے کسی عضو کا نکالنا درست نہیں ہے اور اس کی وجہ بھی کرامت ہے۔

لیکن اگر کسی فرد کے علاج کے لیے خود اس کے عضو کو نکالا جانا ضروری ہے تو حنفیہ نے بوقت ضرورت اس کی اجازت دی ہے جیسا کہ اس سے قبل ان کی دلیل میں یہ بات گزر چکی ہے، کیونکہ ایسا نہ کرنے میں اس کی ہلاکت وموت کا اندیشہ ہے، اس کا واضح مطلب ہے کہ کسی بیمار انسان کے لیے کسی دوسرے صحت مند انسان کے عضو کو نکالنا صحیح نہیں، کیونکہ جس ضرورت کے تحت اور وہ بیمار کے ہلاک ہونے کا خوف تھا عضو کو نکالا گیا تھا وہ یہاں اس صورت میں نہیں پائی جاتی ہے، بلکہ مزید معطی کی زندگی خطرے میں پڑسکتی ہے اور وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھوسکتا ہے، لہذا دوسرے کی خاطر عضو کا نکالنا جائز نہیں ہے، لیکن اس کا جواب اس طرح سے دیا جاسکتا ہے کہ آپ نے علاج کے واسطے ہی عضو نکالنے کی اجازت دی ہے، اور یہی اصل نقطہ بھی ہے کہ علاج کی خاطر عضو کا نکالا جانا درست ہے، اب اگر آپ کسی انسان سے اس کے علاج کی خاطر عضو نکالے جانے کو حق بجانب ودرست قرار دیتے ہیں اور اس کی ہلاکت کا آپ کو اندیشہ ہے تو پھر ایک انسان کے علاج کے لیے کسی غیر کے عضو کو نکالنے کی اجازت آپ کیوں نہیں دیتے جبکہ اس کے بھی ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے، اور دونوں کی ہلاکت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مزید براں حنفیہ اور غیر حنفیہ کا یہ بھی قول ہے کہ اگر کوئی شخص ڈوب رہا ہے اور ہلاکت کے بالکل قریب ہے اور جائے وقوع پر کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اس کے بچانے پر قادر ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی زندگی کی حفاظت کرے لیکن اگر قادر شخص اپنی ذمہ داری سے غفلت برتتا ہے اور ڈوبنے والا شخص ہلاک ہوجاتا ہے تو اس کا گناہ اس کو ملے گا، بلکہ بعض حنابلہ کا یہاں تک کہنا ہے کہ اس پر دیت کی ادائیگی لازم ہے۔

پھر آخر کون سی چیز ہے جو معطی سے دوسرے کو علاج کی خاطر عضو کے نکالنے کو جائز قرار دینے میں حارج ومانع ہے، جبکہ اسے معطی کی مرضی سے نکالا جارہا ہو مثلاً وہ اپنی زندگی ہی میں ہبہ کردے یا بعد وفات اس کے نکالنے کی وصیت کردی ہو اور وہ معاوضہ کا طالب بھی نہیں ہے اور وہ تمام شروط بھی پائی جاتی ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حنفیہ نے انسان کا گوشت کھانا اس کی کرامت کی وجہ سے اضطرار کی صورت میں بھی حلال نہیں قرار دیا ہے تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ حنفیہ نے عدم جواز کا فتوی اضطرار کی حالت میں بھی اس بنیاد پر دیا ہے، کیونکہ گوشت کھانے

سے تضییع اوراتلاف لازم آتا ہے جو کہ انسان کی اہانت ہے،لیکن جہاں تک دوسرے کے لیے عضو کے نکالنے کا مسئلہ ہے تو اس کے اندر انسانی اعضاء کا اتلاف ہے،اور نہ ہی اس کی توہین ہے پھر کس بنیاد پر اس کو ناجائز کہا جاسکتا ہے، بلکہ نکالنے ہوئے عضو کے بقاء کا ذریعہ ہے، جب تک اس کے ذریعہ علاج کردہ شخص زندہ رہتا ہے،اور یہ کام اہانت کا نہیں ہے، بلکہ یہ دوسرے کی مدد اس کا تعاون ہے اوراس کے ذریعہ دوسرے شخص کو نئی زندگی حاصل ہوتی ہے اور شریعت میں کہیں بھی اس سے منع نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کی رغبت دلائی گئی ہے،اوراس کو مستحسن فعل قرار دیا گیا ہے۔

اس کے باوجود ضروری ہے کہ عضو نکالتے وقت مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ معطی نے مطلق طور پر اپنے عضو کو نکالنے کی اجازت دے دی ہو، بغیر اجازت عضو کا نکالنا حرام ہے، اور عضو نکالنے کی صورت میں اس کی وفات ہوجاتی ہے یا اس کا کوئی عضو بیکار ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں عضو نکالنے والے پر ضروری ہوگا کہ وہ دیت ادا کرے اور اگر بالقصد اس نے ایسا کیا ہے تو قصاص واجب ہوگا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ معطی عاقل، بالغ ہو، فیصلہ کرنے میں خودمختار ہو اور اس کا اپنا فیصلہ ہو، کوئی باہر دباؤ اس کے اوپر نہ ہو اور اس سلسلے میں اسے تصرف کا حق بھی حاصل ہے، کیونکہ اس کا اپنا ذاتی معاملہ ہے جو اس کی اپنی ذات تک محدود ہے اور اسے اپنی ذات کے اندر شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے مکمل تصرف کا اختیار ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ معطی کی نیت خالص ہو اور اس کا مقصد محض راہ خدا میں اپنے عضو کو صدقہ کردینا ہو، اس کا بدل اسے مطلوب نہ ہو کیونکہ تمام فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ انسان اور اس کے جسم کی بیع وشراء جائز نہیں ہے، کیونکہ انسان ایک محترم ومکرم ہستی ہے جبکہ خرید وفروخت اشیاء کے توہین کی علامت ہیں، جیسا کہ کاسانی کا کہنا ہے کہ: ''سراپا انسان بشمول اپنے تمام اجزاء واعضاء مکرم ومحترم ہے اور بیع وشراء اس کی کرامت کے منافی ہے اور اس کی تذلیل وتحقیر ہے''۔(البدائع والصنائع)

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ عضو ایسا ہو جس کے نکالنے سے معطی ہلاک نہ ہو یا اس کی وجہ سے فالج زدہ اور معطل نہ ہو، اس کی دنیوی ودینی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں مانع نہ ہو۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ عضو کے نکالنے کی اجازت خود معطی نے اپنی زندگی میں یا اس کے ورثاء نے اس کی وفات کے بعد دی ہو۔

(۶) چھٹی شرط یہ ہے کہ عضو نکالنے سے نعش کی ہیئت مثلہ جیسی نہ ہوجاتی ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مثلہ کرنے سے روکا ہے، اور آپ کا فرمان ہے: "انکم ستجدون مثله لم آمر بها" (رواہ احمد والبخاری) بے شک تم لوگ مثلہ کی ہوئی لاشوں کو دیکھوگے جس سے میں نے منع کیا ہے۔

(۷) ساتویں شرط یہ ہے کہ عضو کا نکالنا اسی وقت عمل میں لایا جائے جب پوری طرح متحقق ہوجائے کہ معطی کی وفات ہوچکی ہے، خصوصا اس صورت میں جبکہ عضو کا نکالنا ہی اس کی دائمی وحتمی موت کا سبب ہو، مثلا دل اور پھیپھڑے کا نکالنا اور اس کا حکم اس لیے لگایا گیا ہے تاکہ ایک انسان جس کے اندر ابھی زندگی کی رمق باقی ہے، اس کو جلدی قتل ہونے سے بچایا جاسکے۔

اور اگر کسی کی حالت بہت نازک ہے اور اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے، ڈاکٹروں کا بھی یہی کہنا ہے، لیکن فی الواقع ابھی اس کی موت نہیں ہوئی ہے، ایسی صورت میں اس کے کسی بھی عضو کا نکالنا جائز نہیں ہے، ایسی حالت میں معطی اگر اپنا عضو نکالنے کی

اجازت دے دیتا ہے اوراس کی وفات ہوجاتی ہے تو یہ خودکشی ہے اوراگراس کی اجازت کے بغیر عضوکونکالا گیا ہے تو یہ ایک نفس کوناحق قتل کرنے کے مترادف ہے اوردونوں ہی صورتیں ناجائز وحرام ہیں جبکہ آخری صورت میں فقہاء کے نزدیک تاوان ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

(۸) آٹھویں شرط یہ ہے کہ غیر کو بچانے کے لیے معطی کا عضواسی صورت میں نکالا جائے جبکہ اس کی جگہ کوئی بھی حیوانی یا مصنوعی عضوکام نہ دے سکتا ہواوراس کے بغیر ضرورت کی تکمیل ممکن نہ ہواوراس کی اجازت محض ضرورت کے ثابت ہونے پر دی گئی ہے، کیونکہ اصلا یہ شئ حرام ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔

انسانی اعضاء کی خرید وفروخت:

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ آزاد انسان محل بیع نہیں ہوتا، اس لیے اس کی بیع ناجائز ہے، لہذا اگر انسان یا اس کے کسی بھی عضو کی بیع کی جاتی ہے، تو تمام فقہاء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ایسی بیع منعقد نہیں ہوگی۔

لیکن اگر کوئی مریض انسانی عضو کا سخت حاجت مند ہے اور مطلوبہ عضوا سے بغیر عوض کے نہیں مل رہا ہے اوراس کا مصنوعی بدل بھی موجود نہیں ہے، اس حالت میں مریض کے لیے عضو کا خریدنا سابقہ شرائط کے ساتھ جن کا تذکرہ ابھی معطی سے عضو کے نکالنے کے تحت کیا گیا ہے اوراس کی ضرورت محض ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے دی گئی ہے اور مشتری کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے بلکہ تمام تر ذمہ داری بائع کی ہے اور وہی گناہ گار ہوگا۔

اسی اور انہیں جیسی حالتوں کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وقد فصل لكم ما حرم عليكم الا ما اضطررتم اليه﴾۔ (الانعام:۱۱۹)

ترجمہ: حالانکہ جن چیزوں کا استعمال حالت اضطرار کے سوادوسری تمام حالتوں میں اللہ نے حرام کردیا ہے، انہیں وہ تمہیں بتاچکا ہے۔

اورفروعات سے خریدنے کے جواز کا پتہ چلتا ہے، گرچہ بیچنے کی حرمت ہے، بلکہ حنبلیہ کا یہاں تک کہنا ہے کہ مصحف کی بیع حرام ہے، گرچہ اس کا مقصد دین کی کسی ضرورت کی تکمیل ہی کیوں نہ ہو۔

امام احمد کا قول ہے: "لا نعلم في بيع المصحف رخصة" کہ مصحف کی بیع کے سلسلے میں مجھے کسی رخصت کا علم نہیں ہے۔ اروعبداللہ بن عمر کا کہنا ہے: "وددت أن الأيدي تقطع في بيعه" کہ میرے ہاتھ قطع کردیجئے، مجھے یہ پسند ہے اگر میں قرآن کی بیع کرتا ہوں۔

حنبلیہ نے ابن عمر کے مذکورہ قول کی توجیہ یہ کی ہے کہ قرآن کی تعظیم اوراس کی تکریم تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور قرآن بیع وشراء سے کہیں بالا وبلند تر ہے، اب اگر ایک مسلمان اس کی بیع کرتا ہے تو اس کا واضح مطلب ہے کہ اس کی تعظیم کا قائل وہ نہیں ہے اور بیع کے ذریعہ قرآن کے رتبہ ومرتبہ کو گھٹا رہا ہے، اس کی توہین وتقصر کررہا ہے، یہی وجہ ہے کہ ابن عمر نے قرآن کی بیع پر ہاتھ کاٹنے کو ترجیح دی ہے۔

اما شراء المصحف فقد نصوا على انه لا يكره لأن الشراء بمثابة استنفاذ له كشراء الأسير من المحاربين.

ترجمہ: البتہ مصحف کے خریدنے کے متعلق علماء کے اقوال ہیں کہ مکروہ نہیں ہے، اس لیے کہ خریدنا اسے نافذ کرنے کے منزلہ میں ہے، جیسے کہ محاربوں سے قیدیوں کا خریدنا۔

☆☆☆

آپ ﷺ کی شفقت ورحمت

(۳) محمد اسلم مبارک پوری

۶-افرادامت کے ساتھ نبی ﷺ کی شفقت ورحمت اور آپ کا حسن اخلاق:

اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے:﴿فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم﴾ (آل عمران:۱۵۹) اللہ تعالی کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں، اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، آپ ان سے درگذر کریں، اور ان کے لیے استغفار کریں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے نبی ﷺ کے خلق عظیم کو بیان کیا ہے، یقیناً آپ ﷺ کے اندر جو نرمی اور ملائمت اور عفو ودرگذر کا خاصہ ہے، یہ اللہ تعالی کی خاص مہربانی کا نتیجہ ہے۔ اور یہ نرمی، یہ شفقت، مروت، دعوت وتبلیغ کے لیے نہایت ضروری ہے، اگر آپ نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا جائزہ لیں گے تو آپ کو ہر جگہ آپ کی شفقت، آپ کی نرمی، اور آپ کے اخلاق وکردار کا بہترین نمونہ نظر آئے گا۔ اسی لیے اللہ تعالی نے اپنے نبی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وإنك لعلى خلق عظيم﴾ (القلم:۴) بیشک آپ اخلاق کے بہت بلند رتبے پر ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سخت گو، اور بدزبان نہ تھے، اور آپ کہتے تھے: "إن من خياركم أحسنكم أخلاقا" (۱) تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

درج ذیل صفحات میں بعض افرادامت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے عمدہ اخلاق کی چند جھلکیاں پیش کررہا ہوں، کیونکہ آپ کی شخصیت میں ہمارے لیے عمدہ نمونہ موجود ہے۔

۱- ثابت بنانی کہتے ہیں کہ ہم سے انس- رضی اللہ عنہ- نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی، لیکن آپ نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہا، اور نہ کبھی یہ کہا کہ فلاں کام کیوں کیا، اور فلاں کام کیوں نہیں کیا۔ (۲)

دوسری روایت میں ہے:

میں نے رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم کوئی ریشم نہیں چھوا، اور رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر سے پھوٹنے والی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ کوئی خوشبو کبھی نہیں سونگھی، اور میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال خدمت کی "فما قال لي لشيء صنعته: لِمَ صنعتَ هذا هكذا؟ ولا لشيء لم أصنعه: لِمَ لم تصنع هذا هكذا؟" (۳)

(۱) صحیح بخاری (۳۵۵۹)، مسلم (۲۳۲۱) (۲) صحیح بخاری (۶۰۳۸)، مسلم (۲۳۰۹)

(۳) صحیح بخاری (۲۷۶۸، ۶۰۳۸، ۶۹۱۱)

آپ نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہا، اور جو کام میں نے کیا اس کی بابت یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں کیا، اور جو کام میں نے نہیں کیا، اس کی بابت یہ نہیں کہا کہ اس طرح کیوں نہ کیا۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے بہتر اخلاق والے تھے، ایک دن آپ نے مجھے کسی ضرورت سے بھیجا تو میں نے کہا: قسم اللہ کی، میں نہیں جاؤں گا، حالانکہ میرے دل میں یہ بات تھی کہ اللہ کے نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا ہے، اس لیے ضرور جاؤں گا، چنانچہ میں نکلا یہاں تک کہ میں کچھ بچوں کے پاس سے گذر رہا تھا جو بازار میں کھیل رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نے میرے پیچھے سے میری گردن پکڑ لی، میں نے آپ کی طرف مڑ کر دیکھا، آپ ہنس رہے تھے، پھر آپ نے فرمایا: اے ننھے انس!

"اذهب حيث أمرتك" جاؤ، جہاں میں نے تمہیں حکم دیا ہے۔

میں نے عرض کیا: ٹھیک ہے، میں جا رہا ہوں، اللہ کے رسول۔

انس کہتے ہیں: والله لقد خدمته سبع سنين أو تسع سنين، ما علمت قال لشيء صنعت: لِمَ فعلت كذا وكذا، ولا لشيء تركت هلا فعلت كذا وكذا۔ (۱)

میں نے سات سال یا نو سال آپ ﷺ کی خدمت کی، لیکن مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے کبھی میرے ایسے کام پر جو میں نے کیا ہو یہ کہا ہو کہ تم نے ایسا اور ایسا کیوں کیا؟ اور نہ ہی کسی ایسے کام پر جسے میں نے نہ کیا ہو یہ کہا ہو کہ تم نے ایسا اور ایسا کیوں نہیں کیا؟

دس سالہ خدمت کے دوران خادم کو اس کے کسی کام پر نہ ٹوکنا، اور نہ جھڑکنا، نہ ڈانٹنا، نہ دھمکانا، آپ ﷺ کے حسن اخلاق کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، جس کی کوئی دوسری نظیر نہیں پیش کی جا سکتی، کاش امت بھی اپنے پیمبر کے ان مکارم اخلاق کو اختیار کرے، حقیقت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ سے زیادہ کوئی شخص نرم دل، خوش اخلاق پیدا نہیں ہوا۔

۲- انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس کی طرف دوڑے (اور ڈانٹا، پھٹکارا) لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا تزرموه" اس کے پیشاب کو مت روکو، پھر آپ نے پانی کا ڈول منگوایا، اور پیشاب کی جگہ بہا دیا گیا۔ (۲)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، پس لوگ اس کی طرف بڑھے، تاکہ اسے زدوکوب کریں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: "دعوه، وأريقوا على بوله سجلا من ماء، أو ذنوبا من ماء، فإنما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين" (۳) اس کو چھوڑ دو، اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو، اس لیے کہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، سختی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے اخلاق عالیہ کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے لوگوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے اور پیشاب

(۱) صحیح بخاری (۲۷۶۸، ۶۹۱۱)، مسلم (۲۳۰۹)، نیز دیکھیں: ابوداود (۴۷۷۳)، ترمذی (۲۰۱۵)

(۲) بخاری (۶۰۲۵) (۳) بخاری (۲۲۰)

رکوانے کی کوشش سے منع فرمایا، کیونکہ پیشاب منقطع کرنا ضرر رساں ہے، اور بسا اوقات ایسا کرنے کی وجہ سے گردہ اور مثانہ کا خبیث مرض لاحق ہوجاتا ہے، اور اس لیے بھی آپ نے لوگوں کو منع فرمایا کہ پیشاب کا منقطع کرنا بدن، لباس اور مسجد کے دوسرے حصے (جہاں پیشاب نہیں کیا ہے) کے نجس اور گندہ کرنے کا موجب بن جائے گا، ظاہر ہے کہ اگر وہ ادھورا پیشاب لے کر بھاگ کھڑا ہوتا تو اس کے اپنے کپڑے اور بدن کے علاوہ مسجد کے دوسرے حصوں میں پیشاب کے قطرات کا گرنا ممکن تھا، جس سے گندگی اور زیادہ پھیلتی۔

حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے: "فلم يسب، ولم يضرب، ولم يؤنب"۔
نبی ﷺ نے مجھے برا بھلا نہیں کہا، اور نہ ہی مارا، اور نہ ہی ڈانٹا۔
پھر آپ ﷺ نے اسے نرمی سے سمجھایا، اور کہا:

انما بني هذا المسجد لذكر الله تعالى والصلاة، وإنه لا يبال فيه۔ (۱)

یہ مسجد اللہ کا ذکر اور نماز کے لیے بنائی گئی ہے، اس میں پیشاب نہیں کیا جاتا ہے۔

۳- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جارہا تھا، اور آپ کے اوپر ایک موٹے کنارے والی نجرانی چادر تھی۔ (راستے میں) ایک دیہاتی آپ کو ملا، اور آپ کی چادر کو سختی سے پکڑ کر کھینچا، میں نے نبی ﷺ کے کندھے کو دیکھا تو اس میں چادر کھینچنے کا نشان پڑا تھا، پھر اس دیہاتی نے کہا: "يا محمد، مُر لي من مال الله الذي عندك"۔ اے محمد! تیرے پاس جو اللہ کا مال ہے، اس میں سے میرے لیے بھی کچھ حکم دے۔

آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے، اور مسکرائے، پھر آپ نے اسے دینے کا حکم فرمایا۔ (۲)

اس حدیث میں نبی اکرم خاتم الانبیا ﷺ کے اس خلق عظیم کا ایک نمونہ ہے کہ آپ ایذاء پہنچانے والوں اور جاہلوں سے درگذر فرماتے، اور اپنی ذات کے لیے انتقام نہ لیتے، آپ نے اس دیہاتی کی نازیبا حرکت کو ایک مسکراہٹ کے ساتھ نظر انداز فرمایا اور اسے عطیہ دینے کا حکم فرمایا۔ دوسرے، دعوت دین کی راہ میں پہنچنے والی تکلیفیں صبر وحوصلے کے ساتھ برداشت کرتے، اور ان پر مشتعل نہ ہوتے بلکہ ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے، اس میں قیامت تک کے داعیان دینِ حق کے لیے درس، رہنمائی اور بہترین اسوہ ہے، دعوت وتبلیغ کا کام، پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں کی مالا ہے، اس میں داد تحسین کے بجائے، طعن وملامت اور خشت زنی حصے میں آتی ہے، اس لیے راہ حق کی کٹھنائیوں میں صبر وتحمل، صبر وبرداشت نہایت ضروری ہے۔

۴- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سیاہ فام عورت یا کوئی نوجوان (بعض دوسری روایات کی بنیاد پر علماء نے راجح قرار دیا ہے کہ عورت تھی) مسجد (نبوی) میں جھاڑو دیا کرتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے گم پایا تو اس کی بابت پوچھا؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ فوت ہوگیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "أفلا كنتم آذنتموني" تو تم لوگوں نے مجھے اس کی اطلاع کیوں نہ دی؟ گویا لوگوں نے اس کی وفات کے معاملے کو حقیر گردانا، اور آپ کو اطلاع دیئے بغیر دفن کردیا، آپ نے فرمایا:

(۱) احمد (۵۰۳/۲)، یہ حدیث صحیح ہے، ارواء الغلیل (۱۷)، صحیح سنن ابن ماجہ (۴۳۴)
(۲) صحیح بخاری (۳۱۴۹، ۵۸۰۹) مسلم (۱۰۵۷)

"دلوني على قبره" مجھے اس کی قبر بتلاؤ۔

چنانچہ لوگوں نے آپ کو اس کی قبر بتلائی تو آپ نے اس پر نماز پڑھی۔ پھر فرمایا: بے شک یہ قبریں، قبر والوں پر تاریکی سے بھری ہوئی ہیں، ان پر میری نماز پڑھنے سے یقیناً اللہ تعالی ان کے لیے روشن فرما دیتا ہے۔(۱)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے کمال خلق اور تواضع کا بیان ہے۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے، اور امامہ بنت ابی العاص جو ابھی بچی تھی، وہ آپ کے شانہ مبارک پر تھی۔ پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی (اور دوسری روایت میں ہے آپ نے نماز پڑھائی) جب آپ رکوع کرتے تو انہیں اتار دیتے، اور جب کھڑے ہو جاتے تو پھر اٹھا لیتے۔(۲)

اس حدیث میں بھی آپ ﷺ کی کمال شفقت کا بیان ہے، جو آپ ﷺ نے ایک معصوم بچی پر فرمائی۔

۵-انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو بلایا، وہ سب بدر کی طرف چلے اچانک قریش کے پانی والے اونٹ ملے، ان میں بنی حجاج کا ایک کالا کلوٹا غلام تھا، صحابہ کرام نے اسے پکڑ لیا اور اس سے پوچھنے لگے کہ بتاؤ ابوسفیان کہاں ہے؟ وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! مجھے ابوسفیان کے بارے میں کوئی علم نہیں، البتہ قریش کے لوگ آئے ہیں، ان میں ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، اور امیہ بن خلف بھی آئے ہوئے ہیں، جب اس نے یہ کہا تو صحابہ کرام اسے مارنے لگے، وہ بولا: مجھے چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو، میں تمہیں بتاتا ہوں، جب اس کو چھوڑا تو پھر وہی بات کہنے لگا، اللہ کی قسم! مجھے ابوسفیان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے، البتہ قریش آئے ہیں، ان میں ابوجہل، ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ وشیبہ، اور امیہ بن خلف بھی آئے ہوئے ہیں۔(اس وقت نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، اور اسے سن رہے تھے) جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

"والذي نفسي بيده، إنكم لتضربونه إذا صدقكم، وتَدَعونه إذا كذبكم".

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جب وہ تم سے سچ بولتا ہے، تو تم اسے مارتے ہو اور جب جھوٹ بولتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو۔(ابوسفیان تو شام کے قافلے کے ساتھ مال لیے ہوئے آرہا ہے) یہ قریش کے لوگ ہیں، اس کو بچانے کے لیے آئے ہیں۔(۳)

جب سہیل بن عمرو (جو بڑا زبان آور خطیب تھا، اور آپ ﷺ کی ہجو کرتا تھا) جنگ بدر میں قیدی بنا کر نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو خلیفہ ثانی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! سُہیل بن عمرو کے اگلے دو دانت تڑوا دیجئے، اس کی زبان لپٹ جایا کرے گی، اور وہ کسی جگہ خطیب بن کر آپ کے خلاف کبھی کھڑا نہ ہو سکے گا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ شفقت ورحمت کا معاملہ کرتے ہوئے عمر رضی اللہ عنہ کی اس گزارش کو مسترد کر دی، کیونکہ یہ مثلہ کے ضمن میں آتا ہے، جس پر بروز قیامت اللہ تعالی کی طرف سے مواخذہ کا خطرہ تھا۔(۴)

ان احادیث میں قیدیوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے عمدہ اخلاق اور اچھے برتاؤ کا نہ صرف پتہ چلتا ہے بلکہ احادیث

(۱) صحیح مسلم (۹۵۶) (۲) صحیح بخاری (۵۱۶، ۵۹۹۶)، مسلم (۵۴۳)

(۳) ابوداود (۲۶۸۱) نیز دیکھیں: مسلم (۱۷۷۹) (۴) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام (۴۴۹/۱)

شریفہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قیدیوں کے ساتھ شفقت ورحمت اچھے برتاؤ کرنے، احسان کرنے اور خبر گیری کرنے کا حکم دیا ہے، نیز آپ نے انہیں مارنے، ایذاء رسانی، اور قید وبند کی صعوبتیں دینے سے منع فرمایا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا: بدر کے دن قیدیوں میں نبی ﷺ کے چچا عباس بھی تھے، جب شام ہوئی اور نبی ﷺ سونے کے لیے تشریف لے گئے تو نیند آپ کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، صحابہ کرام نے آپ سے نیند نہ آنے کا سبب دریافت کیا۔ دریں اثناء نبی ﷺ کو اطلاع مل چکی تھی کہ قیدیوں میں آپ کے چچا عباس بھی ہیں، جب ان کے کراہنے کی آواز نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ کو بہت دکھ ہوا، اور فرمایا:

"سمعت أنين عمي العباس في وثاقه، فأطلقوه"۔ (۱)

میں نے اپنے چچا عباس کے کراہنے کی آواز سنی (جس کی وجہ سے مجھے نیند نہ آئی) اس لیے جاؤ، انہیں قید سے آزاد کردو۔

یہ تھا نبی اکرم ﷺ کا اخلاق وکردار، اور قیدیوں کے ساتھ آپ کی رحمت وشفقت۔

اس سلسلہ میں ثمامہ بن اثال کا واقعہ نبی ﷺ کے اخلاق وکردار کی بہترین مثال ہے، جو کتب احادیث وسیرت میں زریں حروف میں مسطور ہے، واقعہ کی تفصیل حفاظ حدیث کے سرخیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نجد کی جانب ایک سریہ بھیجا، یہ لوگ بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنفی کو گرفتار کرلائے، وہ مسیلمہ کذاب کے حکم سے بھیس بدل کر نبی ﷺ کو قتل کرنے نکلا تھا، مسلمانوں نے اسے گرفتار کرلیا، اور مدینہ لاکر مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا، رسول اللہ ﷺ ان کے پاس گئے اور پوچھا: ''ثمامہ، تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا: اے محمد! میرے پاس خیر ہے، اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک مستحق شخص کو قتل کریں گے، اور اگر احسان کریں گے تو ایک قدرداں پر احسان کریں گے، اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو کہئے جتنا چاہیں گے دیا جائے گا، نبی ﷺ انہیں چھوڑ کر واپس آگئے، یہاں تک کہ جب دوسرا دن ہوا تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا: ''ثمامہ، تمہارے پاس کیا ہے؟ تو انہوں نے پھر وہی بات دہرائی، آپ ﷺ نے پھر انہیں چھوڑ دیا، پھر جب تیسرا دن ہوا تو پھر وہی بات ہوئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہ بن اثال کو آزاد کردو، چنانچہ وہ مسجد (نبوی) کے قریب ایک باغ میں گئے، غسل کیا، پھر مسجد میں داخل ہوئے اور:

"أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله"۔

پڑھ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔ (۲)

---

(۱) سنن بیہقی (۹/۸۹)، یہ روایت اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے، تاہم عباس رضی اللہ عنہ کو زنجیروں میں قید کرنے کا واقعہ ترمذی (۳۰۸۰) میں مذکور ہے، امام ترمذی کے بقول: یہ روایت حسن صحیح ہے۔ اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف الترمذی میں لکھا ہے: ضعیف الاسناد (ح ۵۶۹) لیکن ضعف کی وجہ سماک راوی کا عکرمہ سے روایت بیان کرنا ہے، کیونکہ محدثین کے نزدیک سماک کی عکرمہ سے روایت مضطرب ہے، بعض کے نزدیک درست ہے، اس لیے حاکم نے مستدرک (۲/۳۲۶-۳۲۷) میں ''صحیح الاسناد'' اور حافظ ابن کثیر نے (تفسیر: ۳/۵۵۶) میں اسے ''جید'' کہا ہے۔

(۲) صحیح بخاری (۴۳۷۲)، مسلم (۱۷۶۴)

یہ تو تھا انفرادی قیدیوں کا تذکرہ، اب ان اجتماعی قیدیوں کا تذکرہ پڑھئے، اور اندازہ لگائیے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق وکردار کا، آپ کی شفقت ورحمت کا۔

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو بہت ستایا جاتا تھا، یہاں تک کہ آپ اور آپ کے جاں نثار صحابہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے، کفر اور اسلام کے درمیان پہلی جنگ ''جنگ بدر'' ہوئی، اس جنگ میں مسلمانوں کو چند قیدی ہاتھ لگے، ان کی تعداد تقریبا ۷۰ تھی، رسول اکرم ﷺ نے تمام قیدیوں کو صحابہ کرام میں تقسیم کر کے انہیں آرام سے رکھنے کا حکم دیا، اور تاکید کر دی کہ ان کو کسی بھی قسم کی تکلیف نہ پہنچے، اس حکم پر صحابہ کرام نے اس قدر شدت سے عمل کیا کہ خود تو چند کھجوریں کھا کر بسر کرتے تھے، مگر قیدیوں کو شکم سیر ہو کر کھانا کھلاتے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے فدیہ لیکر ان قیدیوں کو آزاد کر دیا، اور جو قیدی فدیہ نہ دے سکے ان کے لیے یہ تجویز پاس ہوئی کہ وہ انصار کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں، اور بعض قیدیوں کو بلا فدیہ بطور احسان رہا کیا گیا۔ (۲)

اس کے بعد ۵ یا ۶ ہجری میں غزوہ بنو المصطلق پیش آیا، جس میں ایک سو سے زیادہ مرد اور عورتیں گرفتار ہو کر آئیں، اس غزوہ میں سردار قوم حارث بن ابی ضرار کی بیٹی بھی گرفتار ہوئی تھی، جس کو ثابت بن قیس بن شماس نے گرفتار کیا تھا، پھر مکاتب کر دیا تھا، یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں زر کتابت مانگنے کے لیے حاضر ہوئیں تو آپ نے ان کا زر کتابت بھی ادا کیا، اور ان سے شادی بھی کر لی۔ صحابہ کرام کو جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی ہے، اور حارث بن ضرار کی بیٹی (جویریہ) کو اپنی زوجیت میں لے لیا ہے تو بنو المصطلق کے سارے قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دیا، اور کہنے لگے: یہ رسول اکرم ﷺ کے سسرال کے افراد ہیں۔

اس لیے عائشہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں:

"فما رأينا امرأة كانت أعظم بركة على قومها منها".

ہمیں کسی عورت کے بارے میں جان کاری نہیں جو اپنی قوم کے لیے جویریہ سے زیادہ بڑھ کر برکت والی ہو۔

اعتق في سببها مائة أهل بيت من بني المصطلق. (۲)

ان کی وجہ سے ان کی قوم کو زبردست فائدہ ہوا، ان کی وجہ سے بنی مصطلق کے سو قیدی آزاد ہوئے۔

(جاری)

☆☆☆

(۲) مسند احمد (۴/۴۷) باسناد صحیح۔

(۲) ابوداود (۳۹۳۱)، مسند احمد (۱/۲۷۷) یہ روایت حسن ہے۔

مکاتب: اس غلام کو کہتے ہیں جو اپنے آقا سے کسی متعین رقم کی ادائیگی کے عوض اپنی آزادی کا معاہدہ کر لے۔

اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے امام ابوداود رحمہ اللہ لکھتے ہیں: هذا حجة في أن الولي هو يزوج نفسه. یہ حدیث دلیل ہے اس بات کی کہ ولی خود نکاح کر سکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے الوداعی خطبے

عبدالغفار عبدالسلام سلفی
ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی (بی.ایچ.یو)

محسن انسانیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ جس طرح اخلاق وکردار، سیرت وصورت، فصاحت وبلاغت کے سبھی شعبوں میں انسانیت کی معراج تھے، اسی طرح میدان خطابت کے بھی آپ عظیم ترین شہسوار تھے، آپ کے خطبے معانی وحِکَم کا گنج گراں مایہ ہوا کرتے تھے، رب کائنات نے آپ ﷺ کو جوامع الکلم کی خصوصیت سے نوازا تھا، آپ کے خطبے اپنی اثر انگیزی اور سحر آفرینی کے اعتبار سے بے نظیر ہیں، امت کے متعدد سیرت نگاروں نے آپ ﷺ کے خطبات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، ان لافانی اور بے نظیر خطبات نبوی میں آپ ﷺ کے وہ خطبات امتیازی حیثیت کے حامل ہیں جو آپ نے اپنی وفات سے چند ایام قبل حجۃ الوداع کے موقع سے دیے تھے، یہ خطبات فصاحت وبلاغت کا عمدہ ترین نمونہ تو ہیں ہی، اخلاق وآداب کے ایسے جامع نصائح پر مشتمل ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں، اس موقع پر آپ نے صحابہ کرام کے عظیم مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے جو باتیں ارشاد فرمائیں وہ ساری امت کے واسطے آپ ﷺ کی اہم وصیتوں پر مشتمل ہیں اور اس بات کی شاہد مبین ہیں کہ آپ نے نہ صرف دین کی امانت عظیمہ امت تک پہونچادی بلکہ امت کی نصیحت وخیر خواہی میں کوئی کسر نہیں رکھ چھوڑی۔

آپ ﷺ کے ان الوداعی خطبات میں سب سے پہلا خطبہ وہ ہے جو آپ نے میدان عرفات میں دیا تھا، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اس خطبے کو روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جب سورج زوال پذیر ہوگیا تو آپ ﷺ قصواء پر سوار ہوکر وادی کے بیچ میں آئے اور لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "ان دماء كم وأموالكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا، في بلدكم هذا، ألا كل شيء من أمر الجاهلية تحت قدمي موضوع، ودماء الجاهلية موضوعة، وان أول دم أضع من دماء نا دم ابن ربيعة بن الحارث كان مسترضعا في بني سعد فقتله هذيل، وربا الجاهلية موضوع، أول ربا أضع ربانا ربا عباس بن المطلب، فإنه موضوع كله، فاتقوا الله في النساء فإنكم أخذتموهن بأمان الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله، ولكم عليهن أن لا يوطئن فرشكم أحدا تكرهونه فإن فعلن ذلك فاضربوهن ضربا غير مبرح ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف، وقد تركت فيكم ما لن تضلوا بعده ان اعتصمتم به كتاب الله، فأنتم تسألون عني فما أنتم قائلون؟ قالوا: نشهد أنك قد بلغت، وأديت، ونصحت، فقال بإصبعه السبابة يرفعها إلى السماء وينكتها إلى الناس، اللهم اشهد، اللهم اشهد، ثلاث مرات"۔

یعنی (لوگو!) تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہے جیسے آج کا دن (عرفہ کا دن) حرمت والا ہے، یہ مہینہ (ذی الحجہ) حرمت والا ہے اور یہ شہر (مکہ) حرمت والا ہے، سنو! ہر وہ چیز جو جاہلیت سے متعلق تھی اس کو میں اپنے پیروں تلے روندتا ہوں، جاہلیت میں جو خون ہوئے وہ سب معاف ہیں (یعنی ان کا قصاص نہیں لیا جائے گا) اور پہلا خون جو اپنے خون میں سے ہم معاف کرتے ہیں وہ ربیعہ بن الحارث کا خون ہے جس نے بنوسعد کے یہاں دودھ پیا تھا اور ہذیل کے لوگوں نے اسے مار ڈالا تھا، جاہلیت کا سارا سود ختم کیا جاتا ہے اور پہلا سود جو ہم ختم کرتے ہیں وہ عباس بن المطلب کا سود ہے، وہ سب کا سب معاف کیا جاتا ہے، اور تم لوگ عورتوں کے سلسلے میں اللہ سے ڈرو، تم نے انہیں اللہ کی امان کے ساتھ (اپنی زوجیت میں) لیا ہے اور اللہ کے کلمہ کی بنیاد پر ان کی شرم گاہوں کو حلال کیا ہے، ان کے اوپر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں کو ایسے لوگوں کو روندنے نہ دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو (اس کا مطلب زنا نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ تمہارے گھر میں ایسے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو) اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار سکتے ہو مگر ایسی مار جو ہلکی ہو، میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑ کے جارہا ہوں کہ اسے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے یعنی اللہ کی کتاب (۱) تم سے میرے بارے میں (اللہ کے یہاں) پوچھا جائے گا تو تم لوگ کیا کہو گے؟ صحابہ نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے (اللہ کا پیغام ہم تک) پہونچا دیا، (فریضۂ رسالت) ادا کر دیا اور (امت کی) خیر خواہی کر دی، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! تو گواہ رہنا، اے اللہ تو گواہ رہنا، یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۲۱۸)

اس خطبے کے بعد اگلا خطبہ آپ نے یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو دیا، سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اس خطبے کے راوی ہیں، کہتے ہیں:

''نبی ﷺ اپنے اونٹ پر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص نے اس کی مہار تھام رکھی تھی، آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: أتدرون أي يوم هذا؟ کیا تم جانتے ہو آج کون سا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا: الله ورسوله أعلم. اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، پھر آپ خاموش ہو گئے، ہم نے سمجھا شاید آپ اس دن کا کوئی دوسرا نام دیں گے کہ تبھی آپ نے فرمایا: أليس بيوم النحر؟ کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟ ہم نے کہا: بلى يا رسول الله! کیوں نہیں اے اللہ کے رسول، پھر آپ نے فرمایا: فأي شهر هذا؟ یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے پھر وہی جواب دیا، اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے اور ہم نے سمجھا کہ شاید آپ اس مہینے کا کوئی دوسرا نام دیں گے، تبھی آپ نے فرمایا: أليس بذي الحجة؟ کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا بلى يا رسول الله، کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! پھر آپ نے فرمایا: فأي بلد هذا؟ یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے پھر کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، پھر آپ خاموش

(۱) صحیح مسلم کی اس روایت میں سنت کا ذکر نہیں ہے، مگر مستدرک حاکم کی صحیح روایت میں دونوں کا ذکر ہے دیکھئے صحیح الترغیب حدیث نمبر ۳۶۔

ہو گئے اور ہم نے سمجھا کہ آپ شہر کا کوئی دوسرا نام دیں گے، تبھی آپ نے فرمایا: أليست بلدة الحرام؟ کیا یہ شہر حرام (مکہ) نہیں ہے؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: فإن دماء كم وأموالكم وأعراضكم وأبشاركم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا، في بلدكم هذا، وستلقون ربكم فيسألكم عن أعمالكم، فلا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض، ألا ليبلغ الشاهد منكم الغائب فرب مبلغ أوعى من سامع، ألا هل بلغت؟ ثم انكفأ إلى كبشين أملحين فيذبحهما. تمہارا خون، مال، آبرو، چمڑے ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے آج کا یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر حرمت والا ہے، تم اپنے رب سے ملو گے تو وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا، اس لیے میرے بعد کافروں کی روش پر نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی ہی گردن مارنے لگو، سنو! تم میں سے جو موجود ہیں وہ (میرا پیغام) ان تک پہونچا دیں جو غائب ہیں کیونکہ بسا اوقات وہ شخص جس کو بات پہونچائی جائے وہ اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیتا ہے بنسبت اس کے جو براہ راست سنتا ہے، سنو! کیا میں نے (اللہ کا پیغام تم تک) پہونچا دیا؟ پھر آپ ﷺ جھکے اور دو چت کبرے مینڈھوں کو ذبح کیا۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر ۶۷، ۱۰۵، ۱۷۴۱، ۳۱۹۷، ۴۴۰۶، ۴۶۶۲، ۵۵۵۰، ۷۰۷۸، ۷۴۴۷، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۷۹)

اس خطبے میں آپ ﷺ سوال کرنے کے بعد جو خاموش ہو جاتے تھے، اس کا مقصد یہ تھا کہ صحابہ آپ ﷺ کے ارشاد کے لیے اپنے ذہنوں کو مستحضر کر لیں اور پوری طرح سے آپ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ (فتح الباری: ۱/۱۵۹)

اس خطبہ کے وقت تقریباً سوا لاکھ صحابہ کا مجمع تھا اور یہ آپ کا واضح معجزہ تھا کہ آپ کا یہ خطبہ سارے لوگوں نے اپنی اپنی جگہوں سے سنا۔ عبد الرحمٰن بن معاذ التیمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "خطبنا رسول الله ﷺ ونحن بمنى ففُتِحَت أسماعنا حتى كنا نسمع ما يقول ونحن في منازلنا" اللہ کے رسول ﷺ نے جب ہمیں خطبہ دیا تو ہم منی میں تھے، ہمارے کانوں کو کھول دیا گیا یہاں تک کہ ہم اپنے اپنے خیمے سے آپ ﷺ کی باتیں سن رہے تھے۔ (صحیح ابی داود: ۱۷۲۴)

ان دو خطبوں کے علاوہ کتب احادیث میں آپ ﷺ کا ایک اور الوداعی خطبہ ہمیں ملتا ہے جو آپ نے ۱۲/ذی الحجہ کو منی میں دیا تھا، سیدنا ابو نضرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھ سے ایسے شخص نے حدیث بیان کی جس نے ایام تشریق کے درمیانی دن (۱۲/ذی الحجہ) نبی ﷺ کا خطبہ سنا تھا، آپ نے (اس خطبہ میں) فرمایا: يا أيها الناس! إن ربكم واحد، وإن أباكم واحد، لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، ولا لأحمر على أسود، ولا لأسود على أحمر، إلا بالتقوى، أبلغت؟ قالوا: بلّغ رسول الله ﷺ، ثم قال: أي يوم هذا؟ قالوا: يوم حرام. ثم قال: أي شهر هذا؟ قالوا: شهر حرام. ثم قال: أي بلد هذا؟ قالوا: بلد حرام، قال: فإن الله قد حرم بينكم دماء كم وأموالكم وأعراضكم، كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا، في بلدكم هذا، أبلّغت؟ قالوا، بلّغ رسول الله ﷺ، قال: ليبلغ الشاهد والغائب. اے لوگ! تمہارا رب ایک ہے، تمہارے باپ

(آدم) ایک ہیں، سنو! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل ہے، فضیلت کا معیار صرف تقوی ہے، کیا میں نے پہونچا دیا؟ صحابہ نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے پہونچا دیا، پھر آپ نے فرمایا: یہ کون سا دن ہے؟ صحابہ نے کہا: حرمت والا دن ہے، پھر آپ نے فرمایا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ صحابہ نے کہا: حرمت والا مہینہ ہے، آپ نے فرمایا: یہ کون سا شہر ہے؟ صحابہ نے کہا: حرمت والا شہر ہے، آپ نے فرمایا: اللہ نے تم پر ایک دوسرے کا خون، مال اور آبرو ایسے ہی حرام کر دیا ہے جیسے یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر حرمت والا ہے، کیا میں نے پہونچا دیا؟ صحابہ نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے پہونچا دیا، آپ نے فرمایا: موجود لوگ ان کو پہونچا دیں جو غائب ہیں۔ (مسند احمد بترتیب عبدالرحمٰن البناء: ۱۲/۲۲۶، امام ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ذکر کر کے کہا: اس کو احمد نے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں)

ان تینوں خطبوں کے علاوہ بھی حجۃ الوداع کے موقع پر مختلف صحابہ نے آپ ﷺ کے خطبے کے مختلف حصے نقل کیے ہیں، جیسے سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں کو خطبہ دیا، آپ نے فرمایا:

"إن الشيطان قد يئس أن يعبد بأرضكم ولكن رضي أن يطاع فيما سوى ذلك مما تحاقرون من أعمالكم فاحذروا، اني قد تركت منكم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدا، كتاب الله وسنة نبيه".

بیشک شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری سرزمین پر اس کی عبادت کی جائے لیکن وہ اس بات سے خوش ہے کہ اس کے علاوہ ایسی چیزوں میں اس کی اطاعت کی جائے گی جن اعمال کو تم حقیر اور معمولی سمجھتے ہو، میں نے تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اس کو تھام لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔ (صحیح الترغیب: ۱/۲۱، حدیث نمبر: ۳۶، اس کی اصل صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۸۱۲ میں بھی ہے)

اسی طرح سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، جب آپ اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دے رہے تھے، آپ فرما رہے تھے:

"يا أيها الناس! أطيعوا ربكم، وصلوا خمسكم، وأدوا زكوة أموالكم، وصوموا شهركم، وأطيعوا ذا أمركم تدخلوا جنة ربكم".

لوگو! اپنے رب کے فرماں بردار بنو، پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام کرو، اپنے مال کی زکوۃ دو، اپنے مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو اور اپنے امیر کی اطاعت کرو، تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (مستدرک حاکم: ۱/۴۷۳، امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے)

یہ تھے معلم کائنات ﷺ کے الوداعی خطبے، جن میں انسانیت کی وہ اعلی اقدار موجود ہیں جن پر عمل کر کے ہی دنیا میں امن وسکون نافذ کیا جا سکتا ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں ان خطبوں پر عمل کرنے اور نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق دے، آمین۔ ☆☆

سلفیت :تعبیر وتفہیم

تحریر: محمد الراشد ترجمانی: ابو یاسر مبارک پوری

سلفیت درحقیقت ایک عمل محکم ہے، اور معتبر علماء کا شرعی نصوص کو حیات انسانی کے ہر معاملے میں خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اہم یا غیر اہم جملہ معاملات میں حَکَم اور قول فیصل ماننے کا نام ہے، اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: ﴿فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول﴾ (النساء:۵۹) اگر کسی چیز میں اختلاف کروتو اسے لوٹاؤ، اللہ کی طرف، اور رسول کی طرف۔

اس آیت کریمہ میں ''شئ'' نکرہ ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے، جس کا معنی ہے ہر عمل کو بوقت نزاع اللہ اور اس کے رسول ﷺ (قرآن وحدیث) کی طرف لوٹانا، چاہے یہ عمل کتنا ہی حقیر اور کمتر ہو۔

اللہ کی طرف لوٹانے کا مطلب ہے قرآن کی طرف لوٹانا۔

اور اللہ کے رسول کی طرف لوٹانے کا مطلب ہے:

۱- رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ کی طرف رجوع کرنا۔

۲- آپ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ کی سنت مطہرہ کی طرف رجوع کرنا۔

لہذا سلفیت فردا (گزشتہ ایام) کی طرف لوٹنے کا نام نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کا دعوی ہے، اور نہ ہی پیچھے کی طرف واپس آنے کا نام ہے، بلکہ سلفیت ایک ایسے منہج کی طرف دعوت دینے کا نام ہے جس منہج کو علام الغیوب نے مرتب کیا ہے، جس کا علم ماضی، حال اور مستقبل سب پر محیط ہے، نیز اس اسلام کی طرف پیش قدمی کا نام ہے جو ہر طرح کے خرافات وبدعات سے پاک وصاف ہے اور اللہ رب العالمین کا آخری منتخب دین ہے، اور دنیا کے تمام ادیان وملل پر مہیمن اور غالب ہے۔

سلفیت کا صرف دو ہی منبع ہے، ایک کتاب اللہ، دوسرا سنت رسول اللہ ﷺ۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے اخلاق وعمل کے ذریعہ قرآن کی تفسیر وتوضیح کردی ہے جو بیان کے اعتبار سے زیادہ بلیغ، اور شکوک واحتمالات کے لیے قاطع اور عالم بشریت کے لیے نافع ہے، بالخصوص تربیت کے میدان میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے، یہی وہ سلفیت ہے جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں، اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح سمجھیں جس طرح آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں عملی جامہ پہنایا ہے، اور اس کا عملی نمونہ پیش کیا ہے، اور یہ تمام علمائے اسلام کے نزدیک واضح امر ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اس میں پیش پیش ہیں۔

قارئین کے سامنے امام شافعی رحمہ اللہ کے سلفی منہج کی ایک مثال پیش کرنا چاہتا ہوں جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے سنن کبری میں روایت کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور لوگوں سے کہا: "سلوني ما شئتم" تم لوگ جو چاہو مجھ سے دریافت کرلو۔ "أخبركم من كتاب الله وسنة نبيه ﷺ" میں تم لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی روشنی میں بتاؤں گا۔ اتنے میں ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا کہ اے امام شافعی- رحمہ اللہ- میں مسجد حرام کی طرف

رواں دواں تھا کہ ایک بھڑ نے مجھے ڈنک مار دیا اور میں نے احرام کی حالت میں اسے قتل کر دیا، اب مجھے بتائیے کہ "ماذا عليّ" اس قتل کی وجہ سے میرے اوپر کیا چیز واجب ہوتی ہے؟ اللہ رب العالمین کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ گویا ہوئے: ﴿وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾ (الحشر:۷) اور تمہیں جو کچھ رسول دے، لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ۔

پھر نبی ﷺ کی یہ حدیث پڑھی: "اقتدوا بالذين من بعدي: أبي بكر وعمر" (صحیح الجامع:۱۱۴۲) میرے بعد ابوبکر وعمر -رضی اللہ عنہما- کی اقتداء کرو۔

بعدہ امام شافعی رحمہ اللہ نے آیت وحدیث اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فتوی کے درمیان وجہ مطابقت بیان کرتے ہوئے سائل سے کہا: کتاب اللہ کی روشنی میں تمہارے سوال کا یہ میرا جواب ہے، اور یہ فتوی ہے جس کی دلیل نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي، عضوا عليها بالنواجذ" (صحیح الجامع:۲۵۴۹) تم لوگ میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، اس سنت کو دانتوں سے مضبوطی سے تھام لو۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے "عضوا عليها بالنواجذ" کہا ہے، عضوا عليهما بالنواجذ نہیں کہا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ خلفائے راشدین -رضی اللہ عنہم- کی سنت یہی نبی کریم ﷺ کی عین سنت ہے، دونوں میں تفاوت نہیں ہے۔

یہی سلفی دعوت ہے، اور یہ سلفی دعوت کسی شخص یا مشایخ کی طرف انتساب کرنے یا کسی مرکز وجمعیت کی طرف نسبت کرنے سے بہت بالا اور بلند ہے، سلفیت اللہ تعالی کے خالص دین پر جمے رہنے کا نام ہے، جسے اللہ رب العالمین نے نبی ﷺ کے قلب اطہر پر نازل کیا ہے۔ (بشکریہ: الفرقان، کویت)

☆☆☆

اعتذار

امام المحدثین محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ البخاری الجعفی رحمہ اللہ کی نسبت جعفیوں کی طرف ولائے اسلام کے اعتبار سے ہے، آپ کے پردادا مغیرہ نے یمان بن اخنس الجعفی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا اسی بنیاد پر آپ کو جعفی کہا جاتا ہے۔

محدث کے جلد نمبر ۳۰، شمارہ:۱۱، صفحہ ۲۶، سطر ۷ میں فاضل مترجم سے ترجمہ کرنے میں سہو ہوا کہ آپ جعفیوں کے غلام تھے، بلکہ اصل عبارت میں مولی سے یہی ولائے اسلام مراد ہے۔

ادارہ اس سہو کے لیے معذرت خواہ ہے۔

علامہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی دو نادر و نایاب کتابوں کا اجمالی تعارف

عبدالرحیم بن محمد یونس، متعلم جامعہ سلفیہ، بنارس

علامہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی ذات محتاج تعارف نہیں، برصغیر میں آپ نے جو تحریک چلائی، اصلاح ملت اور تجدید دین کا جو بیڑا اٹھایا اور علم جہاد بلند کیا وہ ہمارے اسلاف احمد بن حنبل، امام ابن تیمیہ، امام محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ کی علمی و عملی زندگی کا واضح نمونہ تھا، آپ نے وہ سرگرمی دکھلائی جسکی اس عہد میں شدید ضرورت تھی، علامہ محمد اسماعیل نے جو تحریک برپا کی وہ کوئی نئی تحریک نہ تھی بلکہ وہ خالص اسلامی تحریک تھی جسے عام کرنے کے لئے ہر زمانہ میں اہل حق سرگرم رہے، آپ نے جو عظیم تحریک مسلمانوں کی صلاح و فلاح کے لئے چلائی اس کی عظمت کا صحیح اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب تحریک کا تاریخی پس منظر نگاہوں کے سامنے ہو۔ وہ دور جو آپ کا میدان عمل تھا ہر اعتبار سے مسلمانوں کے لئے بدنصیبی اور تیرہ بختی کا دور تھا۔ سیاسی حالات ناگفتہ بہ تھے، مذہبی و دینی اعتبار سے حال یہ تھا کہ شرک و بدعت و بدعت کا دور دورہ تھا، غیر شرعی رسوم بڑے زور و شور سے منائے جاتے تھے۔ اسلامی سنتیں بھلائی جا چکی تھیں۔ نوع بہ نوع کی گمراہیاں تھیں۔ علامہ محمد اسماعیل رحمہ اللہ نے احساس و شعور کی آنکھ کھولی تو یہ ہیبتناک منظر دیکھ کر ان کا دل بھر آیا اور انھوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمتِ اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ زندگی کے ابتدائی مراحل ہی میں آپ اشاعت دین میں مشغول ہو گئے، اس نیک مشغلہ کی مصروفیت کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کا پاکیزہ فریضہ بھی انجام دیا۔ مزید یہ کہ منہج سلف کے فروغ کے لیے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ دی، تصنیفی کام کے لئے بہت کم فرصت و مہلت ملی پھر بھی جو کتابیں آپ نے لکھیں وہ اپنے موضوع پر بے مثال ہیں اور سابقہ کتابوں پر فوقیت رکھتی ہیں تنہا ''تقویۃ الایمان'' کے ذریعہ جو کام ہوا وہ محتاج بیان نہیں یقیناً آج بھی یہ کتاب مؤلف کے خلوص و تڑپ کی گواہ ہے، اشاعت دین کے لیے ہمیں جو رہنمائی علامہ محمد اسماعیل رحمہ اللہ کی کتابوں سے ملتی ہے بالخصوص ہمارے ملک کے ماحول میں اس کے مدنظر ہمارے لیے آپ کی کتابوں کی حصولیابی نہایت مفید ہوگی، ایسی تمام مفید کتابوں کی اشاعت و طباعت سے ہمیں اکتانا نہیں چاہئے۔ علامہ محمد اسماعیل شہید کی معروف تصانیف دو درجن سے زائد ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) تقویۃ الایمان
(۲) ردالاشراک فی علم الحدیث
(۳) ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح
(۴) منظومات (اردو و فارسی میں)
(۵) منصب امامت
(۶) رسالہ یک روزی
(۷) منطق میں ایک رسالہ جس کا ذکر سرسید احمد خاں نے کیا
(۸) تنقید الجواب در اثبات رفع الیدین
(۹) عبقات
(۱۰) حقیقت تصوف

(۱۱) اربعین فی احوال المھدیین (۱۲) عظمت صحابہ واہل بیت
(۱۳) رسالہ بے نمازاں (۱۴) تذکیر الاخوان
(۱۵) مجموعہ خطبات (فضائل جہاد میں) (۱۶) حواشی مفیدہ (علامہ صاحب نے بیشتر کتب علم معقول پر حواشی تحریر کئے)
(۱۷) مکاتیب (۱۸) اصول الفقہ (عربی)
(۱۹) تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین (عربی) (۲۰) مبحث امکان النظیر
(۲۱) قصیدہ در مدح آنحضرت ﷺ (۲۲) قصیدہ در مدح (امیر) سید احمد شہید
(۲۳) مجموعۂ خطب دوازدہ ماہی (فارسی) (۲۴) قبر بوسی کا حکم
(۲۵) صراط مستقیم (اس کتاب میں جو باتیں منقول ہیں وہ درحقیقت علامہ شہید کی نہیں بلکہ ان کے امیر سید احمد شہید کی ہے، صرف کتابت علامہ شہیدؒ کی ہے) ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی مفید رسالے ہوں جو مفقود ہوں یا ضائع ہوگئے ہوں، واللہ اعلم بالصواب۔

فی الحال مذکورہ تمام کتابیں دستیاب نہیں ہیں لیکن اہم ترین رسالے دستیاب ہیں، ان کی تصنیف اصول الفقہ اور تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین نایاب ہوچکی ہیں۔ ان کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر ضرورت اس بات کی ہے کہ انہیں زیور طباعت سے آراستہ کیا جائے، ہم اپنی عملی زندگی میں ان سے بے نیاز نہیں ہوسکتے، لہٰذا ہمارے لیے ان کا مختصر تعارف مناسب ہوگا۔

(۱) اصول الفقہ: یہ علامہ صاحب رحمہ اللہ کی ایسی تصنیف ہے جس کا اسلوب اس فن کی تمام تصانیف کے طرز سے منفرد ہے۔ اس کتاب میں مسائل علم الاصول کو نہایت اختصار کے ساتھ جمع کردیا ہے، گویا دریا کو کوزہ میں بند کردیا ہے۔ فی الحال ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مکتبہ میں جو کتاب موجود ہے وہ ''الصدف پبلشرز کراچی'' کی مطبوع ہے جو ۴۰ رصفحات پر مشتمل ہے جس میں آٹھ مباحث ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

(۱) مبحث الدلالۃ (۲) مبحث اللفظ من حیث الاستعمال
(۳) بحث اللفظ من حیث مراتب الدلالۃ (۴) بحث الکتاب (کتاب اللہ)
(۵) بحث السنّت (المتواترۃ وغیر المتواترۃ) (۶) بحث الاجماع
(۷) مباحث الاقیاس (۸) بحث فی الخاتمۃ

علامہ شہیدؒ ان مباحث میں نہایت فیصلہ کن بات کہی ہے۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ سیرۃ النبی حصہ ہفتم میں ایک بحث کا نتیجہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''.....اب آخر میں ہم حضرت علامہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا وہ قول

فیصل نقل کرتے ہیں جو ان تمام مباحث کا نچوڑ (خلاصہ) ہے .....''، آگے لکھتے ہیں کہ ''حضرت علامہ شہید کا یہ رسالہ اصول فقہ درحقیقت اصول فقہ کی تہذیب (۱) ہے، اس میں فن کے بڑے بڑے مسئلوں کو ایک ایک دو دو فقروں میں طے فرمادیا ہے''۔

''تراجم علماء حدیث ہند'' میں ابو یحییٰ امام خان نوشہروی ''اصول الفقہ'' کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''.....''اصول الشاشی''، ''منار'' اور ''حسامی'' کے متون سے زیادہ مفید و انفع ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض مدارس عربیہ میں بطور نصاب داخل ہے (مثلاً: مدرسہ محمودیہ عربیہ گوجرانوالہ وغیرہ میں)''۔ (۲)

سب سے پہلے مولانا محمد پشاوری ساکن سفید ڈھیری نے اس پر عربی زبان میں ''القول المامول فی فن الاصول'' کے نام سے مفصل شرح لکھی.....، دوسری شرح مولانا مشتاق احمد صاحب انبیٹھوی نے عربی زبان میں لکھی، جو متن کے ساتھ ہی حاشیہ پر ۱۳۱۱ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی، پھر مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے اصول فقہ کی ''بغیۃ الفحول فی شرح مختصر الاصول'' نامی ایک شرح لکھی جو مشہور و متداول ہے۔ (۳) افسوس کہ ان میں سے کوئی بھی شرح ہمیں دستیاب نہیں ہے۔

مولانا عبدالکریم الطّوکی الحنفی جو جلیل القدر عالم اور شاعر تھے، ان کی متعدد تصنیفات ہیں، انہوں نے علامہ شہید کی شاہکار تصنیف ''اصول الفقہ'' کی بھی شرح لکھی ہے۔ (۴)

(۲) تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین: یہ کتاب بھی خزینۃ الکتب ندوۃ العلماء لکھنؤ میں موجود ہے، جو نہایت بوسیدہ ہے، تقریباً ۵۰/صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب لاہور کے کسی مکتبہ کی مطبوع ہے، ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے وہ بین السطور اردو ترجمہ کے ساتھ ہے اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں وہ احادیث جمع کردی گئی ہیں، جن سے رفع الیدین کا سنت ہونا ثابت ہے، اس میں نو (۹) مباحث ہیں۔ (۱) مسئلۃ رفع الیدین (۲) مسئلۃ التقلید (۳) مسئلۃ حرکۃ السبابۃ فی التشہد (۴) مسئلۃ قراءۃ الفاتحہ خلف الامام (۵) مسئلۃ امین بالجھر (۶) مسئلۃ القنوت فی الوتر (۷) مسئلۃ التسمیۃ فی الصلاۃ (۸) مسئلۃ وضع الید علی الید أوالارسال فی الصلاۃ (۹) مسئلۃ وضع الکف علی الکف تحت السرۃ أوفوق السرۃ؟ چونکہ آپ کی دو کتاب نہایت مشہور ہے ایک ''تقویۃ الایمان'' اور دوسرا یہ رسالہ ''تنویر العینین فی.....''۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ

(۱) ''تہذیب''، منطق میں ایک مختصر متن متین کا نام ہے جس میں بڑے بڑے فیصلوں کو جن پر مباحث کے دفتر ہیں، ایک ایک فقرہ میں ادا کردیا گیا ہے۔ (سیرۃ النبی از: سید سلیمان ندوی: ۱۳۳/۷)

(۲) تراجم علماء حدیث ہند ص ۱۹۹۔

(۳) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ نومبر ۱۹۷۸ء ص ۲۶۔

(۴) نزھۃ الخواطر از عبدالحی لکھنوی: ۱۲۹۰/۸۔

عبدالعزیز رحمہما اللہ نے اس رسالہ (تنویر العینین....) کو ملاحظہ کیا تو بہت پسند فرمایا، شاہ عبدالعزیز نے فرمایا: ''خدا کا شکر ہے کہ یہ گھر محققین علم حدیث سے خالی نہیں ہے''۔(۱)

نیز اس کتاب کی تصنیف پر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بڑی مسرت کا اظہار کیا تھا اور آپ کو گلے لگا کر مبارک باد دی تھی۔(۲)

حضرت علامہ شہید نے اس کتاب میں اثبات رفع الیدین کے علاوہ امین بالجہر، قراءۃ فاتحہ خلف الامام اور تردید تقلید کی طرف بھی اشارات فرمائے۔

ایک مقام پر آپ تقلید کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"وقد غلى الناس فى التقليد وتعصبوا فى التزام تقليد شخص معين حتىٰ منعوا الاجتهاد فى مسئلة ومنعوا تقليد غير امامه فى بعض المسائل وهذا هى الداء العضال التي أهلكت الشيعة فهولاء أيضا أشرفوا علىٰ هلاك الا أن الشيعة قد بلغوا أقصاها فجوزوا رد النصوص بقول من يزعمون تقليده، وهؤلاء أخذوا فيها وأولوا الروايات المشهورة الىٰ قول امامهم"(۳)، نیز اسی کتاب میں صفحہ ۳۸ پر لکھتے ہیں: "وليت شعرى كيف يجوز التزام تقليد شخص معين مع تمكن الرجوع الىٰ الروايات المنقولة عن النبى ﷺ الصريحة الدالة خلاف قول الامام المقلد.....".

اس کتاب کا جواب مولوی محمد شاہ پاک پٹنی ''تنویر الحق'' کے نام سے لکھا۔ ''تنویر الحق'' کے جواب میں شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی صاحب نے ''معیار الحق'' تالیف فرمائی۔ ''معیار الحق'' کا جواب مولوی ارشاد حسین رام پوری نے ''انتصار الحق'' کے نام سے دیا۔

''معیار الحق'' اور ''انتصار الحق'' دونوں کتابیں مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کے مطالعہ میں آئیں تو مولانا آزاد نے فرمایا: ''مجھ پر معیار الحق کی سنجیدہ اور وزنی بحث کا بہت اثر پڑا، اور صاحب ارشاد الحق (انتصار الحق) کا علمی ضعف صاف صاف نظر آ گیا''۔(۴)

---

(۱) ماہنامہ الفرقان ستمبر-اکتوبر ۱۹۷۸ء ص ۳۰۔

(۲) تذکار شہید ص: ۲۲۳ بحوالہ فیض الرحمٰن از: داؤد راز۔

(۳) تنویر العینین.....، ص: ۳۴-۳۵۔

(۴) آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی، بروایت ملیح آبادی، ص: ۱۲۳۹۔

انتصار الحق کی تردید میں حضرت میاں صاحب کے چار (۴) تلامذہ نے جواب لکھے۔

۱۔ براہین اثنا عشر: مولانا سید امیر حسن سہسوانی (م:۱۲۹۱ھ)

۲۔ تلخیص الانظار فیما بنی علیہ الانتصار: مولانا سید احمد حسن دہلوی (م:۱۳۳۸ھ)

۳۔ البحر الزخار لازھاق صاحب الانتصار: مولانا شھو دالحق عظیم آبادی

۴۔ اختیار الحق: مولانا احتشام الدین مرادآبادی (م:۱۳۰۰) (۱)

ایک اہم نوٹ: علامہ اسماعیل شہید کی بابت ترک رفع الیدین کی جو روایت امیر شاہ خان مرحوم سے مشہور ہے، اہل علم کی ایک جماعت اس روایت کو ''افک مبین'' قرار دیتی ہے، حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے ''اتحاف النبلاء'' میں ایک فارسی فتویٰ بنام ''تنقید الجواب در اثبات رفع الیدین'' کا ذکر کیا ہے جو علامہ اسماعیل شہید ؒ نے املا کرایا تھا، یہ فتویٰ ایک حنفی عالم مولوی عبدالھادی کے فتویٰ عدم جواز رفع الیدین کے جواب میں تحریر کیا گیا تھا۔ آگے لکھتے ہیں کہ.....نواب صاحب کی اس تصریح سے واضح ہو جاتا ہے کہ علامہ اسماعیل شہید کی طرف ترک رفع الیدین کی نسبت قطعاً غلط ہے۔ (۲)

حقیقت بدعت کے اظہار کے لیے ''ایضاح الحق الصریح.....'' آپ کا ایک جامع رسالہ ہے جس کی خوبیوں کے اعتراف میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ بھی رطب اللسان نظر آتے ہیں (۳)، اور مسئلہ امامت کے سلسلے میں ''منصب امامت'' ایک مفید مجموعہ ہے جو ہمیں دستیاب نہیں ہے، البتہ دینی کتابوں کی سائٹ کے ذریعے دونوں کتابوں سے استفادہ کا موقع ملا، حالانکہ افادۂ عام کے لیے ان کتابوں کو شائع کرنا چاہیے، بالخصوص نایاب کتابوں کی اشاعت وطباعت کا تسلی بخش انتظام ہونا چاہیے۔

☆☆☆

(۱) چالیس علمائے اہل حدیث، از: عبدالرشید عراقی، ص ۴۰۔

(۲) مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر، از: مسعود عالم ندوی، ص: ۴۷۔

(۳) تذکار شہید، ص: ۲۲۳، بحوالہ فیض الرحمٰن، از: داؤد راز، ص: ۱۶۔

نماز سے متعلق چند متروکہ سنتوں کا بیان

فیروز احمد عبدالنعیم رف ۳
متعلم جامعہ سلفیہ، بنارس

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آلهع وأصحابه أجمعين، أمابعد:

قال الله تعالى: ﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾ یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔(۱)

قال النبي ﷺ: "أحيىٰ سنة من سنتي قد أميتت بعدي فإن له من الأجر مثل أجر من عمل بها من الناس لا ينقص من أجور الناس شيئا" جس نے میری کسی سنت کو زندہ کیا جس پر عمل کرنا لوگوں نے چھوڑ دیا تھا تو اس شخص کے لیے اسی کے مثل اجر وثواب ہے جس طرح اس پر عمل کرنے والوں کے لیے ہے اور لوگوں کے اجر وثواب میں سے کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔(۲)

برادران اسلام! آج کے اس پرفتن دور میں نماز سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی بہت ساری سنتیں مفقود ہیں اور جن پر عمل کرنا لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے وہ سنتیں مندرجہ ذیل ہیں:

☆ **صف بندی کرتے وقت کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملانا:**

اس سنت پر لوگوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، کندھے سے کندھا ملانے میں کوتاہی بڑی حد تک عام ہے اور جہاں تک قدم سے قدم ملانے کی بات ہے تو اس میں بھی کوتاہی پائی جاتی ہے، اس عمل کو لوگوں نے ہلکا سمجھ رکھا ہے اور صرف پیر کی چھوٹی انگلیوں کے ملانے پر اکتفا کیا جاتا ہے،، آیئے دلائل کی روشنی میں اس سنت کا جائزہ لیں کہ اس کی کتنی اہمیت ہے۔

عن عبد الله بن عمر قال قال النبي ﷺ: "أقيموا صفوفكم وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل ولينوا بأيدي اخوانكم ولا تذروا فرجات للشيطان من وصل وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله"۔ صفوں کو درست کرو، کندھوں اور بازوؤں کو ملاؤ اور شگاف کو ختم کرو اور اپنے بھائیوں کے لیے نرم ہو جاؤ اور شیطان کے لیے خالی جگہ نہ باقی رکھو، جو شخص صف کو ملائے گا اللہ اسے ملائے گا اور جو شخص صف کو کاٹے گا اللہ اسے اپنی رحمت سے محروم کردے گا۔(۳)

عن أنس عن النبي ﷺ قال: "أقيموا صفوفكم فاني أراكم من وراء ظهري وكان أحدنا

(۱) سورۃ الاحزاب:۲۱۔ (۲) رواہ ابن ماجہ وصححہ الالبانی (۲۰۹)
(۳) ابوداود (۶۶۶)، نسائی (۸۲۰)، ابن خزیمہ (۱۵۴۸، ۱۵۴۹)

يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه". حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم اپنے صفوں کو درست کرو، میں تمہیں اپنے پس پشت دیکھتا ہوں۔ (حضرت انس کا بیان ہے کہ) ہم میں سے ہر ساتھی اپنے ساتھی کے کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملا لیتا تھا۔(۱)

قال نعمان بن بشير رأيت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحبه. نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ساتھی اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنہ ملا لیتا ہے۔(۲)

نعمان بن بشير يقول: أقبل رسول الله ﷺ على الناس بوجهه فقال أقيموا صفوفكم ثلثا والله لتقيمن صفوفكم أو ليخالفن الله بين قلوبكم قال فلقد رأيت الرجل منا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وركبته بركبة صاحبه وكعبه بكعبه. نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اپنی صفوں کو درست کرو، آپ نے اس جملے کو تین مرتبہ دہرایا، پھر قسم کھا کر فرمایا: اللہ کی قسم تم ضرور بضرور اپنے صفوں کو درست کرو یا اللہ تمہارے دلوں میں اختلاف ڈال دے گا۔ (راوی حدیث نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ) میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر ساتھی اپنے کندھے سے کندھا اور گھٹنے سے گھٹنہ اور ٹخنے سے ٹخنہ ملا لیتا۔(۳)

نیز صفوں کی درستگی سے دلوں میں الفت و محبت پیدا ہوتی ہے۔(۴)

آج ہم نے رسول اکرم ﷺ کی ان احادیث مبارکہ پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے جس کے نتیجے میں ہم ایک دوسرے کے خلاف بغض و عناد کے شکار ہیں۔

☆ فجر کی سنت کے بعد داہنے پہلو کے بل لیٹنا:

یہ سنت بھی عام لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے، جبکہ صحیح احادیث میں اس کا ثبوت موجود ہے: ان عائشة قالت كان رسول الله ﷺ إذا سكت المؤذن من صلوة الفجر قام فركع ركعتين خفيفتين قبل صلوة الفجر بعد أن يستبين الفجر ثم اضطجع على شقه الأيمن حتى يأتيه المؤذن للاقامة.

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ جب مؤذن نماز فجر کے اذان سے فارغ ہو جاتا تو رسول اللہ ﷺ اٹھتے اور نماز فجر سے پہلے طلوع فجر کے بعد دو ہلکی رکعت نماز پڑھتے پھر آپ ﷺ اپنے داہنے پہلو کے بل لیٹ جاتے یہاں تک کہ موذن اقامت کے لیے آجاتا۔(۵)

☆ حالت نماز میں خشوع و خضوع و بکاء:

اس مسئلہ میں بزرگان دین (فقہاء کرام) کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے، ان میں سے ایک جماعت کہتی ہے کہ نماز میں رونے سے نماز فاسد ہو جائے گی، اس کے قائلین امام شعبی، امام نخعی اور امام ثوری رحمہم اللہ ہیں، مالکیہ اور حنفیہ اس بات کی

(۱) رواہ البخاری، کتاب الاذان، باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف۔ (۲) ایضا۔
(۳) ابوداود، کتاب اصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف (۶۶۲)، ابن خزیمہ (۱۶۰) (۴) نماز میں صحیح صف بندی اور اس کے فوائد ص ۳۰۔
(۵) رواہ البخاری، کتاب الاذان، باب من انتظر الاقامۃ، والنسائی، قیام اللیل، باب الاضطجاع بعد رکعتی الفجر: (۱۷۶۳)

طرف گئے ہیں کہ رونا اگر جہنم اور خوف کی وجہ سے ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

امام شافعی سے تین توجیہات مروی ہیں: (۱) اگر آواز نکل جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نہیں، (۲) مطلق فاسد نہ ہوگی اس لیے کہ وہ جنس کلام سے نہیں ہے، (۳) اگر ہم آہنگ آواز نکل جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی ورنہ فاسد ہو جائے گی۔(۱)

بہر حال یہ فقہائے کرام کے اقوال ہیں، آیئے دلائل کی روشنی میں اس کا جائزہ لیں۔

عن عبد الله الشخير رأيت رسول الله ﷺ يصلي بنا وفي صدره أزير كأزير الرحى من البكاء۔ حضرت عبداللہ بن الشخیر ؓ سے مروی ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں اس قدر روتے تھے کہ رونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینے سے چکی کے چلنے کی طرح آواز نکلتی تھی۔(۲)

ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا: "مروا أبابكر فليصل بالناس" ابوبکر کو حکم دو لوگوں کو نماز پڑھائیں، اماں عائشہ ؓ کہتی ہیں میں نے کہا اے اللہ کے رسول ابوبکر اپنی نماز میں رونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنی آواز نہ سنا سکیں گے، آپ عمر کو حکم دیں لوگوں کو نماز پڑھائیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "مروا أبابكر فليصل للناس" ابوبکر کو حکم دو لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے کہیں کہ ابوبکر نماز میں رونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنی آواز نہ سنا سکیں گے، آپ عمر کو حکم دیں لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت حفصہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "مه إنكن لأنتن صواحب يوسف مروا أبابكر فليصل للناس" (تم سب یوسف کے زمانے کی عورتوں جیسی باتیں کرتی ہو، جاؤ ابوبکر کو حکم دو لوگوں کی امامت کرائیں)۔(۳)

قال عبد الله بن شداد سمعت نشيج عمر وأنا في آخر الصفوف يقرأ: "انما أشكو بثي وحزني إلى الله"۔ حضرت عبداللہ بن شداد فرماتے ہیں: میں نے حضرت عمر کے رونے کی آواز سنی ہے اس حال میں کہ میں آخری صف میں تھا، آپ ؓ قرآن کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے: "انما أشكو بثي وحزني إلى الله" میں اپنے رنج وغم کا شکوہ اللہ سے کر رہا ہوں۔(۴)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ نماز میں رونا ہمارے رسول ﷺ اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ رونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ بعض فقہائے کرام کا گمان ہے، لیکن بدنصیبی سے ہم نے آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقے پر عمل کرنا ترک کر دیا ہے، جو نماز میں مغز کی حیثیت رکھتی ہیں۔

رب العالمین ہمیں سنت کا صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اپنے نبی کی سنتوں کو زندہ کرنے والا بنائے، آمین۔☆☆

(۱) فتح الباری، کتاب الاذان، باب اذا بکی الامام فی الصلاۃ: ۲/۲۶۲۔

(۲) رواہ ابوداود کتاب الصلاۃ باب البکاء فی الصلوۃ: (۹۰۴، وابن خزیمہ، جماع ابواب الافعال المباحۃ فی الصلاۃ، باب الدلیل علی ان البکاء فی الصلوۃ لا یقطع الصلاۃ مع اباحۃ البکاء الصلاۃ: (۹۰۰)، والنسائی (۱۲۱۴) وصححہ الالبانی۔

(۳) رواہ البخاری کتاب الاذان، باب اذا بکی الامام فی الصلاۃ۔ (۴) رواہ البخاری، کتاب الاذان، باب اذا بکی الامام فی الصلاۃ تعلیقا۔

اخبار جامعہ

عالمی کانفرنس سے متعلق ایک اہم میٹنگ:

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں مارچ ۲۰۱۳ء میں ''سنت نبوی اور امن عالم'' کے عنوان سے منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس کے سلسلہ میں اساتذہ کرام کی ایک اہم میٹنگ زیر صدارت ناظم اعلی جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود سلفی صاحب بروز بدھ ۵/ دسمبر ۲۰۱۲ء جامعہ کے دارالضیافہ ہال میں منعقد ہوئی جس میں ناظم اعلی مولانا عبداللہ سعود صاحب نے اس کانفرنس کے انعقاد کے سلسلہ میں مجلس عاملہ کا فیصلہ اور اس کی تیاری کے بارے میں تازہ پیش رفت سے اساتذہ کو مطلع کیا، اساتذہ کرام نے کانفرنس کے اس فیصلہ پر اپنی خوش ومسرت کا اظہار کیا اور اسے کامیاب بنانے کے لیے اہم مشوروں سے نوازا۔

نیز کانفرنس کی مجوزہ تاریخ، مدعوین، عناوین اور بعض دیگر ضروری امور کی ترتیب وتنسیق کے لیے اساتذہ کی دو کمیٹی تشکیل دی گئی۔

شعبۂ دعوت وتبلیغ کا اجتماع:

جامعہ سلفیہ میں منعقد ہونے والا تربیتی اجتماع مورخہ ۲۱/ اکتوبر ۲۰۱۲ء کے بارے میں ایک نشست بروز سوموار ۱۰/ دسمبر ۲۰۱۲ء بعد نماز مغرب مسجد جامعہ سلفیہ میں منعقد کی گئی جس میں ناظم اعلی جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود سلفی صاحب، اساتذہ جامعہ، رضا کار طلبہ، اتحاد ابناء السلفیۃ کے ذمہ داران اور اس پروگرام کے انعقاد وانتظام وانصرام میں اہم رول ادا کرنے والے احباب نے شرکت فرمائی۔

اس میٹنگ میں شرکاء نے تربیتی اجتماع کے سلسلہ میں اپنے تاثرات پیش کئے نیز انتظامی امور کا جائزہ لیتے ہوئے بعض کمیوں کی بھی نشان دہی کی اور اخیر میں ناظم اعلی جامعہ سلفیہ نے اس پروگرام سے متعلق بعض ضروری امور کی وضاحت کی نیز ان اساتذہ وطلبہ کا شکریہ ادا کیا جنہوں اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے گرانقدر تعاون پیش فرمایا۔

میٹنگ میں تبادلۂ خیال کے دوران اس بات کو شدت سے محسوس کیا گیا کہ جامعہ سلفیہ کو دعوت وتبلیغ کے میدان میں قائدانہ کردار ادا کرنا چاہئے اور اس کے لیے ایسے دعاۃ کا نظم ہونا چاہئے جو تدریس کے بجائے صرف دعوت وتبلیغ کا فریضہ ہی انجام دیں۔

تعلیم کے اوقات میں تبدیلی:

جامعہ سلفیہ بنارس میں ۲۲/ دسمبر ۲۰۱۲ء بروز سنیچر سے ۲۸/ فروری ۲۰۱۳ء تک تعلیم کے اوقات کو سرد موسم کی وجہ سے تبدیل کر دیا گیا ہے، اب تعلیم کے اوقات صبح ۸/ بجے سے دوپہر دو بجے تک رہیں گے۔

درمیان میں ناشتہ اور نماز ظہر کے لیے وقفہ رہے گا۔

جامعہ سلفیہ بنارس کا ششماہی امتحان:

جامعہ سلفیہ بنارس میں رواں تعلیمی سال کا ششماہی امتحان بتاریخ ۲۲/ جنوری ۲۰۱۳ء بروز منگل مطابق ۹/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ سے شروع ہوگا اور ۵/ فروری ۲۰۱۳ء بروز منگل مطابق ۲۳/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ کو اختتام پذیر ہوگا، امتحان کا وقت صبح ۸:۳۰ سے ۱۱:۳۰ ہوگا، ان شاء اللہ۔

امتحان کی تیاری کے لیے تعطیل ۱۵/ جنوری ۲۰۱۳ء بروز منگل سے ۲۱/ جنوری ۲۰۱۳ء بروز سوموار تک رہے گی۔

☆☆

(ادارہ)

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے قائدانہ کردار کا اعتراف:

نیویارک: امریکی بزنس جریدہ ''فوربز'' نے دنیا کی طاقت وراور بااثر شخصیات سے متعلق رپورٹ میں مملکت سعودیہ کے شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز حفظہ اللہ کو عرب ممالک کی پہلی اور دنیا بھر کی ساتویں موثر شخصیت قرار دیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ امریکی جریدے کی رپورٹ میں ۲۰۱۲ء کی مجموعی طور پر ۷۱/ بااثر شخصیات کا تقابل پیش کیا گیا تھا، جس میں خادم الحرمین الشریفین کو موجودہ عرب ممالک میں اول نمبر اور دنیا میں ساتویں نمبر کا طاقت وراور بااثر لیڈر تسلیم کیا گیا۔ (روزنامہ انقلاب: ۱۲/۱۲/۹)

امام حرم الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل کی وفات:

عالم اسلام کے لیے یہ خبر انتہائی باعث رنج والم ہے کہ سابق امام حرم مکی الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل طویل علالت کے بعد مورخہ ۱۷/دسمبر ۲۰۱۲ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مسجد حرام میں آپ کی نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد العدل قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

امام محترمؒ کی ولادت باسعادت ۱۳۴۵ھ میں القصیم خطے کے البکیریہ شہر میں ہوئی، انہوں نے اپنے والد ماجد کے علاوہ الشیخ عبدالرحمٰن الکریدیس کے پاس حفظ قرآن کریم مکمل کر لینے کے بعد تجوید کی تعلیم کے لیے الشیخ السعدی یاسین رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، بعدازاں آپ البکیریہ شہر کے نامور عالم الشیخ محمد المقبل نیز اپنے بھائی الشیخ عبدالعزیز السبیل کے پاس دیگر علوم کی تحصیل کی۔ المختصر حصول تعلیم کا یہ سلسلہ القصیم میں چیف جج الشیخ عبداللہ بن محمد احمد بن حمید تک چلا۔

امام حرم الشیخ السبیل سعودی عرب کی مختلف مساجد ومدارس اور تعلیمی اداروں میں توحید، تفسیر، فقہ اور اصول فقہ کے علاوہ عربی وادب کی تعلیم وتدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

۱۳۴۵ھ میں آپ کو شاہی فرمان کے تحت مسجد حرام میں بحیثیت امام وخطیب مقرر کیا گیا، ۱۳۹۰ھ میں مسجد حرام کے دینی امور کی نگرانی کا فریضہ سونپا گیا۔

علاوہ ازیں ۱۳۹۳ھ میں ان کو مسجد حرام اور مسجد نبوی کی صدارتی کمیٹی کے سربراہ بھی مقرر کئے گئے نیز وہ رابطہ عالم اسلامی کی فقہ ریسرچ اور سپریم علماء کونسل کے رکن بھی تھے۔ بالآخر ۱۴۲۲ھ میں خود آپ کی درخواست پر ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا گیا۔

بلغاریہ میں سلفی علماء کی ابتلاء وآزمائش:

حکومت بلغاریہ کی پولیس نے ۱۳/مقامی مساجد کے ائمہ اور مفتی حضرات کو حراست میں لے کر، ان کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا ہے، جس کے لیے بنیادی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی تقاریر اور خطابات میں سلفی فکر کو رائج کرتے ہوئے پائے گئے۔

واضح رہے کہ اس عیسائی ملک میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۱۳/فیصد ہے، جن میں گرفتار شدہ علماء کی اکثریت سعودی عرب کے دینی جامعات سے فارغ شدہ حضرات کی ہے۔ (صراط مستقیم، برمنگھم: ۱۲/۹)

☆☆☆

غـــزل

سالک بستوی/ایم اے

عجیب آج کا منظر ہے ، کیا کیا جائے
ہر ایک ہاتھ میں خنجر ہے ، کیا کیا جائے

وہی جو لوٹ رہا تھا اندھیری راتوں میں
وطن کا آج وہ رہبر ہے ، کیا کیا جائے

بنا ہے پاسباں کم ظرف آج گلشن کا
کلی کلی یہاں مضطر ہے ، کیا کیا جائے

ہر ایک شخص نے اپنے صنم تراشے ہیں
ہر ایک دل میں اک آزر ہے ، کیا کیا جائے

خرد نے جب سے بنایا مکان شیشے کا
جنوں کے ہاتھ میں پتھر ہے ، کیا کیا جائے

جو جانتا نہیں کوئی دوا بھی حکمت کی
اسی کے ہاتھ میں نشتر ہے ، کیا کیا جائے

چراغ کیسے جلے آج میرے آنگن میں
ہوا کی زد میں مرا گھر ہے ، کیا کیا جائے

وہی وفا کا ترانہ ہمیں سناتا ہے
جو سب سے بڑھ کے ستمگر ہے ، کیا کیا جائے

لگی ہے آگ عداوت کی شہر میں سالکؔ
اداس شہر کا منظر ہے ، کیا کیا جائے

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال: ایک شخص مثلاً زید اپنی زندگی ہی میں اپنی صحت وتندرستی کی حالت میں اپنی جائداد میں سے کچھ اپنی بعض اولاد کے نام ہبہ کردیا، اور بعض اولاد کو محروم کردیا، اسی طرح بعض اولاد کو ہبہ میں کچھ کم دیا، اور کچھ جائداد کو اپنے ایک پڑوسی (جو رشتہ میں کوئی نہیں لگتا ہے) کو ہبہ کردیا۔

قرآن وسنت کی روشنی میں مذکور زید کا کام شرعی اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟ جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:

صورت مسئولہ میں ہبہ کی جو تفصیل وطریقہ مذکور ہے وہ شرعی اعتبار سے جائز اور درست نہیں بلکہ ناجائز وباطل ہے، اس لیے کہ یہ ہبہ شرعی قاعدہ وقانون کے خلاف کیا گیا ہے، بین الاولاد ہبہ اور عطیہ کا شرعی قاعدہ یہ ہے کہ ہبہ اور عطیہ دینے میں تمام اولاد کے مابین مساوات اور برابری اختیار کیا جائے، جیسا کہ صحیحین ودیگر کتب حدیث کے اندر مذکور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے، حدیث ترجمہ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں:

"عن النعمان بن بشير رضى الله عنهما أن أباه أتى به إلى رسول الله ﷺ فقال: إني نحلت ابني هذا غلاما، فقال: أكل ولدك نحلت مثله؟ قال: لا، قال: فارجعه". (صحیح البخاری مع الفتح ۵/۱۱، ح ۲۵۸۶) یعنی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کے والد ان کو لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنے اس لڑکے کو ایک غلام ہبہ کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اپنی سب اولاد کو ایک ایک غلام دیا ہے، انہوں نے کہا کہ نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو لوٹا لو۔

ایک دوسری روایت جو کہ حضرت عامر شعبی ؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: قال: سمعت النعمان بن بشير رضي الله عنهما وهو على المنبر يقول: أعطاني أبي عطية فقالت عمرة بنت رواحة لا أرضى حتى تشهد رسول الله ﷺ فأتى رسول الله ﷺ فقال إني أعطيت من عمرة بنت رواحة عطية فأمرتني أن أشهدك يا رسول الله! قال أعطيت سائر ولدك مثل هذا؟ قال لا قال فاتقوا الله واعدلوا بين أولادكم". (صحیح البخاری، کتاب الہبۃ، باب الاشہاد فی الھبۃ: ۲۵۸۷)

عامر شعبی نے کہا: میں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو منبر پر کہتے ہوئے سنا: میرے باپ نے مجھے عطیہ دیا تو عمرہ بنت رواحہ نے کہا: میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی یہاں تک کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنالے، تو وہ رسول اللہ

ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے عمرہ بنت رواحہ میں سے اپنے ایک بیٹے کو عطیہ دیا ہے، اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو اس پر گواہ بنالوں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح عطیہ دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: "وإذا أعطى بعض ولده شيئا لم يجز حتى يعدل بينهم ويعطى الآخر مثله"۔ (صحیح البخاری مع الفتح ۲۱۰/۵، کتاب الھبۃ، باب الھبۃ للولد)

یعنی جب کوئی شخص اپنی اولاد میں سے کسی کو کوئی چیز دے، تو یہ (دینا) اس وقت تک جائز نہیں ہوگا، جب تک وہ ساری اولاد کے درمیان عدل نہ کرے اور دوسری (اولاد) کو بھی اس کی مثل نہ دے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"وقد تمسك به من أوجب التسوية في عطية الأولاد، وبه صرح البخاري وهوقول طاؤس والثوري وأحمد واسحاق وقال به بعض المالكية"۔ (فتح الباری ۲۱۴/۵) یعنی جن لوگوں نے اولاد کے درمیان عطیہ کی مساوات کو واجب قرار دیا ہے، انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور امام بخاریؒ نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے اور یہی قول امام طاؤس، امام سفیان ثوری، امام احمد، اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ اور بعض مالکیہ کا ہے۔

فتح الباری (۱۴/۵) میں حافظ ابن حجرؒ لڑکا اور لڑکی کو عطیہ دینے سے متعلق محدثین کرام کے موقف کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لا فرق بين الذكر والأنثى وظاهر الأمر بالتسوية يشهد لهم واستانسوا بحديث ابن عباس رفعه: "سووا بين أولادكم في العطية فلو كنت مفضلا أحدا لفضلت النساء"۔ (أخرجه سعيد بن منصور والبيهقي عن طريقه واسناده حسن)

عطیہ (ہبہ) کی تقسیم میں مذکر اور مونث کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اور حدیث میں جو مساوات کا حکم ہے اس کا ظاہر بھی اس بات پر شاہد ہے، اور ان حضرات نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث سے بھی دلیل پکڑی ہے۔ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) ''عطیہ کے معاملہ میں اپنی اولاد میں برابری کرو، اگر میں کسی کو ترجیح دینے والا ہوتا تو عورتوں کو دیتا''۔ (امام سعید بن منصور اور امام بیہقی نے اس کو روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے۔

مذکورہ تمام احادیث اور اقوال وآراء علماء ومحدثین سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ اگر آدمی اپنی اولاد کے درمیان کسی نزاع یا جھگڑے کے خدشے کے پیش نظر یا ویسے ہی اپنی زندگی میں اپنی جائداد تقسیم کرنا چاہے تو اس پر اولاد کے

درمیان عدل وانصاف لازم ہے، یعنی جتنا لڑکے کو دے اتنا ہی لڑکی کو بھی دے، لیکن اگر کوئی شخص اولاد کو ہبہ (عطیہ) دینے میں عدل وانصاف سے کام نہ لے، بلکہ کسی کو دے اور کسی کو نہ دے، اسی طرح کسی کو زیادہ اور کسی کو کم، تو ایسی صورت میں خلاف شرع کام کرنے کی وجہ سے وہ گناہ گار ہوگا اور اس کا ہبہ باطل وکالعدم مانا جائے گا۔

لہذا باپ کو چاہئے کہ جب وہ اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو کچھ ہبہ کرے یا کچھ عطیہ دے تو انصاف اور عدل کو بروئے کار لاتے ہوئے لڑکے کو جتنا دے اتنا ہی لڑکی کو بھی دے۔

مسئلہ کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (سبل السلام ۹۳۸/۳، فتح الباری ۲۱۰/۵-۲۱۵، التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی: ۱۲۶/۲، نیل الاوطار: ۱۱۰/۶ تا ۱۱۲، وغیرہ)

اور جہاں تک اجنبی شخص کو ہبہ کرنے کا معاملہ ہے تو اس بارے میں واضح ہو کہ مالک مال اپنی صحت وتندرستی کے زمانے میں یعنی مرض الموت میں مبتلا ہونے سے پہلے تک اپنے مال کے تصرف پر پورے طور پر مختار ہے، اللہ کی راہ میں، کسی غریب یا غیر غریب کو اپنا پورا مال بھی ہبہ اور عطیہ کے طور پر دے سکتا ہے۔

اس بات پر حافظ ابن رشد جمہور کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "عمدة الجمهور ان الاجماع منعقد على أن للرجل أن يهب في صحته جميع ماله الأجانب دون أولاده"۔ (بدایۃ المجتہد: ۲۴۶/۲) اور اسی طرح کی بات حافظ ابن حجرؒ فتح الباری (۲۱۵/۵) میں رقمطراز ہیں کہ: "عاشرة الأجوبة أن الاجماع انعقد على جواز عطية الرجل ماله لغير ولده"۔

دونوں عبارتوں کا ماحصل یہ ہے کہ آدمی اپنے مرض الموت سے پہلے اپنے کل یا بعض مال کو اپنی اولاد کے علاوہ کسی کو دے سکتا ہے۔ (اولاد کو دینے کی صورت میں مساوات، برابری ضروری ہے، کما مر)

اس لیے صورت مسئولہ میں شخص مذکور نے اپنے پڑوسی کو جو ہبہ کیا ہے (اگر وہ ہبہ شرعی قاعدہ کے مطابق ہے) وہ صحیح اور درست ہے۔

الجواب صحیح
علی حسین سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
ابوعفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆